

# تذکرہ قرآن

۳۵

فاطر



## ۱۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ————— سورہ سبا ————— کی تمام سورہ ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اس کا بھی اصل مضمون توحید ہی ہے۔ اس کا آغاز خدا کی حمد کے اثبات اور فرشتوں کی الوہیت کے تصور کے ابطال سے ہوا ہے۔ پھر توحید ہی کے تحت رسالت و معاد سے متعلق وہ باتیں بیان ہوئی ہیں جو مقصد خدا کے پہلو سے ضروری اور سورہ کے مزاج اور اس کے زمانہ نزول سے مناسبت رکھنے والی ہیں۔ پچھلی سورہ میں یاد ہوگا، جنوں اور ملائکہ کی الوہیت کے تصور کا ابطال فرمایا ہے۔ اس سورہ میں ملائکہ کی الوہیت کے تصور کی تردید نسبت زیادہ واضح الفاظ میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین عرب کے مزعمور مبعودوں میں سب سے زیادہ الوہیت فرشتوں ہی کو حاصل تھی۔

## ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱۲۱) شکر کا حقیقی منہاد اور اللہ ہے۔ وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے فرشتوں کو بھی وجود بخشا ہے اور ان کو، اپنی حکمت کے مطابق، جن صلاحیتوں اور قوتوں سے چاہا ہے بہرہ مند کیا ہے۔ ان کو بذاتِ خود کوئی اختیار و اقتدار حاصل نہیں ہے۔ تمام رزق و فضل خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ بخشا چاہے تو کوئی اس کی بخشش کو روک نہیں سکتا اور روکنا چاہے تو کوئی اس سے دوا نہیں سکتا۔ پس عبادت کا اصل حقدار وہی ہے۔ اس کے سوا دوسروں کی پوجا محض جہالت و حماقت ہے۔

(۲-۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ اگر تمہاری قوم کے لوگ تمہاری تکذیب کر رہے ہیں تو اپنی پیشرو قوموں کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں اور وہ لازماً اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس سے وہ دوچار ہوئیں۔ ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں کھبا دیے گئے ہیں اور یہ اللہ کے قانون کی زد میں آچکے ہیں تو ان کے غم میں اپنے کو گھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرو۔



فریش کو انداز کہ پیغمبر جس چیز سے تم کو ڈرا رہا ہے وہ ایک امر شرفی ہے تو اپنی موجودہ دنیوی کامیابیوں سے کسی دھوکے میں نہ رہو اور شیطان کے پھندوں میں نہ پھنسو، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے تو اپنے دشمن کو دشمن ہی سمجھو۔ بڑا ہی نادان ہے وہ جو اپنے دشمن کو دوست بنا بیٹھے۔

(۹-۱۰) حشر و نشر کی ایک واضح دلیل کی طرف اشارہ اور یہ تنبیہ کہ جو حشر کے دن خدا کے ہاں تقرب کا طالب ہو وہ جھوٹے سہاروں پر زندگی نہ گزارے۔ اس دن فرضی دیویوں دیوتاؤں کے بل پر کسی کو تقرب حاصل نہیں ہوگا۔ خدا کے ہاں کام آنے والی چیز کلیدِ طیبہ ——— کلیدِ توحید ——— ہے اور اس کلیدِ طیبہ کو بلندی عمل صالح سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کو آخرت کی عزت مطلوب ہو وہ ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کرے۔ اس سے ہٹ کر جو راہیں نکالی گئی ہیں وہ سب فریبِ نفس کی راہیں ہیں اور ان کا انجام ابدی تباہی ہے۔

(۱۱-۱۸) مال و اولاد اور رزق و فضلِ خدا کا عطیہ ہیں۔ عمر کی زیادتی و کمي خدا کے اختیار میں ہے۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی کسی دوسرے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کائنات کے اضداد میں جو توافقی ہے وہ اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ اس میں ایک ہی خدا کے قادر و قیوم کا ارادہ کار فرما ہے۔ اس کے سوا جن کو معبود بنایا گیا ہے نہ ان کو کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ وہ قیامت کے روز کسی کے کچھ کام آنے والے نہیں گے۔

لوگوں کو یہ تنبیہ کہ تمہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اگر تم نے اس کی قدر نہ کی تو اپنا ہی بگاڑو گے خدا کا کچھ نہیں بگاڑو گے۔ خدا تمہارا محتاج نہیں ہے بلکہ تمہی خدا کے محتاج ہو یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ تمہاری دعوت انہی لوگوں پر اثر انداز ہو سکتی ہے جن کے اندر زندگی کی کچھ رتی ہے جو بالکل مردہ ہیں ان کو ان کے حالی پر چھوڑو۔ ان کے لیے جو انجام مقدر ہو چکا ہے وہ اسی سے دوچار ہوں گے۔

(۱۹-۲۸) ایمان لانے اور نہ لانے والوں کی تفصیل اور اس کائنات میں جو اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے اس کی حکمت کی طرف اشارہ کہ جس طرح اس میں اللہ نے نور و ظلمت کو پیدا کیا ہے اور ان دونوں کی خلقت حکمتِ مصلحت پر مبنی ہے اسی طرح ایمان و کفر کا یہ تصادم بھی خدا کی حکمت پر مبنی ہے۔ اس وجہ سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ سب ایمان سے بہرہ مند ہو جائیں گے۔ ایمان صرف وہی لائیں گے جن کے اندر علم و معرفت کی روشنی اور اس کی قدر ہے۔

(۲۹-۳۸) ان علمائے اہل کتاب کی تحسین و حوصلہ افزائی جو تمام بگاڑ اور فساد کے باوجود اللہ کی کتاب پر قائم ہیں اور اس بات کی طرف اشارہ کہ جس طرح ان کو تورات پر قائم رہنے کی سعادت حاصل ہوئی اسی طرح قرآن پر بھی ایمان لانے کی ان کو سعادت حاصل ہوگی اس لیے کہ یہ انہی پیشین گوئیوں کا مصداق ہے جو اس کی بابت تورات اور دوسرے صحیفوں میں وارد ہوئی ہیں۔ تورات کے بعد اس قرآن کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان پر عظیم احسان فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس نے ان کو دنیا کی امانت بخشی ہے بشرطیکہ وہ اس کی قدر کریں۔ پھر فرمایا کہ اگرچہ ان میں ناقدرے اور ناشکرے بھی ہیں لیکن ساتھ ہی ان میں معتودیت پسند اور نیکی کی راہوں میں سبقت کرنے والے بھی ہیں۔ اس طرح کے لوگ اس پر ایمان لائیں گے رہے وہ لوگ جو اس نعمت کی ناقدری کریں گے تو وہ اس انجام سے دوچار ہوں گے جو اس طرح کے لوگوں کے لیے اللہ کے

ہاں متقدّر ہے۔

(۳۹-۴۱) قریش کو تہدید و وعید کہ تم دنیا میں پہلی قوم نہیں ہو بلکہ پچھلی قوموں کے جانشین ہو اس وجہ سے خدا نے جس میزان عدل سے ان کو تو لا کوئی وجہ نہیں ہے کیا اس سے تم کو نہ تو لے۔ خدا کے ہاں الگ الگ ترازو اور الگ الگ باٹ نہیں ہیں بلکہ سب کے لیے ایک ہی میزان ہے۔ تمہاری سرکشی کے باوجود خدا جو ڈھیل قمیص دے رہا ہے اس کو اپنی کامیابی نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے خسارہ میں اضافہ ہے۔ خدا عظیم و غفور ہے اس وجہ سے تمہیں ہدایت دے رہا ہے لیکن جب وہ پکڑے گا تو تمہارے یہ فرضی دیوتا تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے آسمان و زمین خدا کے تمہارے تھے ہونے میں تمہارے ان دیوتاؤں نے ان کو نہیں تھام رکھا ہے۔

(۴۲-۴۵) قریش کو یہ یاد دہانی کہ رسول کی بعثت سے پہلے تو تم اس دلدل کا اظہار کرتے تھے کہ اگر تمہارے اندر کسی رسول کی بعثت ہوئی تو تم دنیا کی سب سے زیادہ ہدایت یافتہ قوم بنو گے لیکن جب رسول آیا تو رات دن اس کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہو اور خدا کے اسی قہر کو دعوت دے رہے ہو جو رسولوں کی کذیب کرنے والوں پر ہمیشہ نازل ہوا۔ یاد رکھو کہ اگر خدا کسی قوم کو فوراً پکڑنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا لیکن اس نے ہر قوم کے فیصلہ کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر رکھا ہے۔

مطالب کے اس تجزیہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اس سورہ کا اندرونی نظام اور سابق سورہ سے اس کا تعلق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اب اللہ کا نام لے کر ہم سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ **بِسْمِ اللّٰهِ التَّوْفِیْقِ وَهُوَ الْهَادِی**  
الحی الصواب۔



## سُورَةُ فَاطِرٍ (٢٥)

مَكِّيَّةٌ ٦٠ آيَاتُهَا ٢٥

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلِكَةِ رُسُلًا  
 أُولَى أَجْنَحَةٍ مَّتَشَى وَثَلَتْ وَرُبِعَ مَزِيدٌ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ  
 إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ  
 فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ  
 الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ② يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ  
 مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
 فَاتَى تُوَفَّقُونَ ③ وَإِنْ يَكْذِبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ  
 طَالَ اللَّهُ تَرْجِعَ الْأُمُورُ ④ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ  
 الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ⑤ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ  
 فَاتَّخِذُوا لَهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ  
 السَّعِيرِ ⑥ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
 الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ⑦ أَفَمَنْ زَيْنَ لَهُ سُوءُ

عَمَلِهِ فَرَأَاهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ  
يَشَاءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا  
يَصْنَعُونَ ﴿٥﴾

ترجمہ آیات ۸-۱  
شکر کا سزاوارحقیقی اللہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کا خالق، فرشتوں کو درود، تین تین الہ  
چار چار پروں والے پیغام رساں بنانے والا۔ وہ خلق میں جو چاہے اضافہ کر دیتا ہے۔  
بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱

اللہ لوگوں کے لیے جس رحمت کا فتح باب کرے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس  
کو روک لے تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں اور وہی حقیقی عزیز و حکیم ہے۔ ۲  
اے لوگو! تمہارے اوپر اللہ کا جو انعام ہے اس کا دھیان کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور  
خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق بہم پہنچاتا ہوا اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو  
تم کہاں اور نہ سے ہوئے جاتے ہو! ۲

اور اگر یہ تمہیں بھٹلاتے ہیں تو کچھ غم نہ کرو، تم سے پہلے بھی کتنے رسولوں کی تکذیب کی گئی  
ہے اور اللہ ہی کے سامنے سارے امور پیش کیے جائیں گے۔ ۳

اے لوگو! اللہ کا وعدہ شدنی ہے تو تم کو یہ دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ  
اللہ کے باب میں تم کو فریب کا شیطاں فریب میں رکھے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے  
تو تم اس کو دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنی پارٹی کو صرف جہنم کا ایندھن بنانے کے لیے بلاتا ہے۔  
جھوٹوں نے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک  
اعمال کیے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔ ۴-۵



کیا وہ جس کی نگاہوں میں اس کا بُرا عمل کُھار دیا گیا ہے، پس وہ اس کو اچھا خیال کرنے لگا ہے (ایمان لانے والا بن سکتا ہے) پس اللہ ہی جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ان کے غم میں تم اپنے کو بلکان نہ کرو، اللہ یا خبر ہے ان کاموں سے جو وہ کر رہے ہیں ۸۰

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

أَعْمَدُ اللَّهِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، جَاعِلِ الْمَلَكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَعَةٍ مِّثْنَىٰ وَثَلَاثَ وَرُبْعَ مِيزَانٍ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ مَدَانٌ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱)

یاد ہو گا، پچھلی سورہ کا آغاز بھی اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الَّذِي هِيَ سے ہوا ہے۔ اس سے دونوں سورتوں کے مزاج دین کی بنیاد توحید کی مناسبت واضح ہوتی ہے۔ دین کی بنیاد توحید پر ہے اور توحید کی حقیقت اللہ ہی کی شکر گزاری ہے اس لیے کہ آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اللہ ہی ہے اور بندوں کو برظاہر ہری و باطنی نعمتیں بھی حاصل ہوئی ہیں سب اللہ ہی کا عطیہ ہیں۔

جَاعِلِ الْمَلَكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَعَةٍ مِّثْنَىٰ وَثَلَاثَ وَرُبْعَ جَاعِلِ الْمَلَكَةِ بَدَل ہے فرشتوں کی حیثیت فَاطِرَ السَّمَوَاتِ سے۔ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر اس کی اہمیت کے پہلو سے فرمایا کہ جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اسی نے فرشتوں کو بھی پیغام رسانی کے مقصد سے وجود بخشا ہے۔ فرشتوں کے خاص طور پر ذکر کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کی میتھالوجی (MYTHOLOGY) میں سب سے زیادہ اہمیت فرشتوں ہی کو حاصل تھی۔ وہ ان کو خدا کی چیمپی بیٹیوں کا درجہ دیتے اور اسی حیثیت سے ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا تصور یہ تھا کہ اگر یہ خوش رہیں تو ان کے واسطے سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس عقیدے نے ان کے ہاں خدا کے وجود کو بالکل معطل کر دیا تھا۔ وہ خدا کو رسمی طور پر مانتے تو تھے لیکن ان کی تمام شکر گزاری اور عبادت کے مرکز ان کے وہ اصنام ہی تھے جو انھوں نے اپنے زعم کے مطابق فرشتوں کے نام پر بنا رکھے تھے۔ یہاں ان کے اسی زعم باطل کی تردید کے لیے ارشاد ہوا کہ شکر کا سزاوار اللہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ اسی نے فرشتوں کو بھی پیغام بری کی ڈیوٹی پر مقرر فرمایا ہے یعنی یہ فرشتے نہ آسمان و زمین کی تخلیق میں کسی نوع سے شریک ہیں اور نہ الوہیت میں ان کا کوئی حصہ ہے بلکہ یہ صرف خدا کے پیغام رساں ہیں جن کے ذریعے سے خدا اپنے رسولوں کو اپنے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔



مطلب یہ ہر اکہ جن لوگوں نے ان قاصدوں کو مقصود کا اور نامہ بردوں کو محبوب کا درجہ دے کر انہی کی پرستش شروع کر رکھی ہے انہوں نے نہ خدا کی قدر پہچانی، نہ ان قاصدوں کی اور نہ اپنی ہی۔

فرشتوں کے درمیان فرق و مراتب

”أَدْنَىٰ أَجْنَحَةٍ صَفَتْ بِعُزِّ سُلَاكٍ رَّأَجْنَحَةٍ جَمْعُ جَنَاحٍ“۔ جنح آدمیوں کے بازوؤں کے لیے بھی آتا ہے اور پرندوں کے پروں کے لیے بھی جن سے وہ اڑتے ہیں۔ یہاں یہ لفظ فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے اس وجہ سے اس کی نوعیت تشابہات کی ہے یعنی ان کی اصل حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ مقصود اس سے یہاں ہم کو صرف اس حقیقت کا علم دینا ہے کہ سب فرشتے ایک ہی درجے کے نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مصلحتوں کے تحت مختلف درجے کی قوتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ کسی کی قوت پر داز کم ہے کسی کی زیادہ۔ کچھ دو پروں کی قوت سے اڑتے ہیں، کچھ تین کی، کچھ چار کی۔

یہ نیز فرشتوں کے ہیں اس وجہ سے ان کی قوت پر داز کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور یہ چار تک کا ذکر بھی تعریف سے معلوم میں نہیں ہے۔ مقصود یہاں صرف ان کے مراتب و منازل کے تفادات کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اس وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے فرشتے بھی ہوں جن کی قوت پر داز اس سے زیادہ ہو تو اس آیت سے اس کی نفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض حدیثوں میں حضرت جبریلؑ کے پروں کی تعداد اس سے زیادہ ذکر ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوت پر داز اور رسائی تمام فرشتوں سے زیادہ ہے۔ مقصود یہاں صرف یہ واضح کرنا ہے کہ جن نادانوں نے فرشتوں کو الوہیت کے زمرے میں داخل کر رکھا ہے ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بلند کا پتہ نہیں ہے۔ خدائی میں شریک ہونا تو درکنار اس کے قاصد اور سفیر ہونے میں بھی ان سب کا درجہ و مرتبہ ایک نہیں ہے بلکہ کسی کی رسائی کسی منزل تک ہے اور کسی کی پہنچ کسی مقام تک۔ اسی حقیقت کا اعتراف سورہ صافات میں حضرت جبریلؑ امینؑ کی زبان سے یوں منقول ہے۔

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ۚ  
وَمَا لَنَا لِمَنْ آمَنَ أَنْ يَصْطَفِيَّ ۚ وَلَا مِنَّا  
لَنَعْنُ الْمُسِخِّحُونَ ۚ (۱۶۴-۱۶۶)

اور ہم میں سے ہر ایک کے لیے بس ایک معین مقام ہے اور ہم ہر وقت صفا بستہ رہنے والے ہیں اور ہم ہر وقت تسخیر کرتے رہنے والے ہیں۔

صفات اور صلاحیتوں میں

”يَزِيدُنِي الْخَلْقَ مَا يَشَاءُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ یعنی اللہ تعالیٰ جن صلاحیتوں اور قوتوں کی مخلوق چاہے پیدا کر سکتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے فرشتوں کو اگر اپنی بیجا کئی بیشی کرنا شروع کیے لیے پیدا کیا تو یہ بھی اس کی قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے۔ اگر ان کے درجات میں تفادات رکھا تو یہ بھی ہر ایک کے اختیار اسی کی قدرت کی ایک شان ہے کہ اگر وہ اپنی خلق یا اس کی صلاحیتوں میں کوئی مزید اضافہ کرنا چاہے تو اس میں ہے۔ صفات اور صلاحیتوں میں کئی بیشی کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر کسی کی صفات اور



قوتوں میں اس نے انفرادی عطا فرمائی ہے تو اس کے بھی معین حدود ہیں اس کی بنا پر نہ کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ خدا کی خدائی میں شریک ہونے کا مدعی بن جائے نہ یہ جائز ہے کہ دوسرے اس کو خدائی میں شریک بنا دیں۔

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُوَسَّلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۲)

یہ دلیل بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ کیوں خدا ہی شکر کا مستحق ہے۔ فرمایا کہ اللہ تمہارے لیے جس فضل و رحمت کا بھی دروازہ کھولنا چاہے وہ اس کو کھول سکتا ہے، کوئی اس کے فضل و رحمت کو روک نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر وہ کسی رحمت سے محروم کرنا چاہے تو کسی کی طاقت نہیں کہ وہ تمہیں اس سے بہرہ مند کر سکے۔ یہی مضمون سورہ زمر میں یوں بیان ہوا ہے۔

قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مَنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ ۚ وَالَّذِينَ لَا يَرْجُونَ عِزَّ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۳۸)

اللہ کے سوا جن مہودوں کو تم پکارتے ہو کبھی تم نے ان پر غور کیا ہے۔ اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کے دفع کرنے والے بن سکتے ہیں! یا اللہ مجھے کسی رحمت سے نوازا نا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں!

مقصود یہ ہے کہ جب اصل حقیقت یہ ہے تو فرشتوں اور جنوں کو تم نافع و ضار سمجھ کر ان کی عبادت جو کرتے ہو یہ محض تمہاری حماقت ہے۔ نفع و ضرر تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے اس وجہ سے شکر اور عبادت کا حق دار تنہا وہی ہے۔

آیت میں ایک ہی چیز رحمت کے لیے ضمیر پہلے ٹوٹ آئی، پھر اسی کے لیے ذکر آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک جگہ لفظ کا لحاظ ہے دوسری جگہ معنوم کا۔ اس کی متعدد نظیریں اس کتاب میں پیچھے گزر چکی ہیں۔

مَنْ تَعْبُدْ ۖ يَعْبُدِ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِسْلَامِكُمْ ۚ أَلَمْ تَكُنْ مِنْ أَقْصَى الْأَرْضِ مِنَ الْبَيْتِ ۖ وَإِنِ اسْتَفْزِزْ يَفْزِزْكَ اللَّهُ طَغْوًا ۚ وَلَئِنْ فَرَّغْتَ مِنْ الشَّيْءِ ۖ فَرَّغْهُ ۚ وَأَنْتَ الْغَافِلُ (۱۳)

کوئی ان کو نجانے والا نہیں بن سکتا۔

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ یعنی اصل غالب و مقتدر وہی ہے۔ وہ کھوتا اور وہی روکتا ہے اور یہ کھولنا اور باندھنا تمام تر اس کی حکمت کے تقاضوں کے تحت ہوتا ہے اس لیے کہ وہ حکیم بھی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ ۖ هَلْ مِنْ خَائِفٍ عَيْرُ اللَّهِ يُؤْذِكُمْ مِنْ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ طَلَالَةً إِلَّا هُوَ ۚ فَآفِي تَوْفِكُونَ (۱۴)



اتمام حجت کے لیے ایک سوال اور پر کی آیات میں جو مضمون اصولی طور پر بیان ہوا ہے اسی مضمون کو اتمام حجت کے انداز میں لوگوں کو مخاطب کر کے، فرمایا کہ لوگو، اللہ کی جو نعمتیں تم کو حاصل ہیں ان میں سے ایک ایک کا دھیان کرو اور ان پر غور کرو۔ لفظ نعمت، یہاں جس نعمت کے مفہوم میں ہے۔ خود کرنے کے لیے ان کے سامنے مسئلہ کو سوال کی صورت میں رکھا کہ یہ آسمان و زمین میں سے جو تمہیں روزی مل رہی ہے، آسمان سے پانی برتا ہے اور زمین سے تمہاری معاش و معیشت کی گونا گوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں یہ چیزیں بخشتا ہے۔

سوال کا جواب ’لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ‘ ان کی طرف سے کسی جواب کا انتظار کیے بغیر خود اس کا جواب دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ خود جواب دینے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سوال کا صحیح جواب اس کے سوا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری یہ کہ مشرکین عرب، جو یہاں مخاطب ہیں، اس سوال کا یہی جواب، جیسا کہ قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہے، دیتے بھی تھے۔ فرمایا کہ جب اصل حقیقت یہ ہے اور تم کو بھی اس سے انکار نہیں ہے تو پھر کہاں تمہاری عقل الٹ گئی ہے کہ دوسری چیزوں کو تم معبود بنائے بیٹھے ہو!

وَأَن تَكْفُرُوا لَهُ فَكُذِّبَتْ ۖ سَأَلَ مِنْ تِلْكَ الْأُمَّةِ قَوْمًا لِّيَ اللَّهُ تَرْجِعَ الْأُمُورَ (۴)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر ایسے سر پھرے لوگ تمہاری تکذیب کر رہے ہیں تو یہ کوئی تعجب یا غم کی بات نہیں ہے، تم سے پہلے جو رسول آئے اس طرح کے لوگوں نے ان کی بھی تکذیب کی۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تمہاری کسی تفسیر کو دخل نہیں ہے بلکہ تمام تردخل اس میں ان کلمہ کی مخصوص ذہنیت کو ہے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ اپنی پیش رو قوموں کی روش پر چل رہے ہیں تو اس روش کا جو انجام ان کے سامنے آیا وہی ان کے سامنے بھی آئے گا۔

’قَوْمًا لِّيَ اللَّهُ تَرْجِعَ الْأُمُورَ‘۔ سارے امور خدا کی طرف لوٹتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔ یعنی خدا اس معاملہ میں غیر جانبدار یا غیر متعلق نہیں ہے بلکہ ہر چیز اس کے سامنے آ رہی ہے اور آئے گی اور آخری فیصلہ اسی کا ہوگا تو اسی کے بھروسہ پر اپنے کام میں گئے رہو اور ان کے معاملے کو اللہ پر چھوڑ دو۔ اس میں اشارہ بھی ہے کہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو مولیٰ و مرجع بنائے بیٹھے ہیں ایک دن اپنی اس طمع خام کا انجام خود دیکھ لیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَقَدْ وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللَّهِ الْغُرُورُ (۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے بعد منافقین کو دھمکی دی کہ تم کو پھپھلی قوموں کے انجام سے جو ڈرایا جا رہا ہے اس کو ہوائی بات نہ سمجھو۔ اللہ کی یہ وعید شدنی ہے۔ اس وقت تمہیں دنیا کی زندگی کی



جو رنا ہیئت حاصل ہے وہ تمہیں دھوکے میں نہ رکھے۔ تم اپنی موجودہ رفا ہیئت کو اپنے رویہ کی صحت کی دلیل گمان کرتے ہو اور پیغمبر کی وحید کا مذاق اڑاتے ہو کہ بھلا تم پر عذاب کیوں اور کدھر سے آجائے گا لیکن حبیب اللہ کے وعدے کے ظہور کا وقت آئے گا تو تم دیکھ لو گے کہ جس چیز سے تمہیں ڈرایا جا رہا تھا وہ بالکل تمہارے سامنے ہی موجود تھی۔

”وَلَا يَغْتِرُ كُفْرًا بِاللّٰهِ الْغَدُورُ“ غدر کے معنی فریب کا رکے ہیں اور یہاں اس سے مراد شیطان ہے۔ اس لیے کہ سب سے بڑا فریب کار شیطان ہی ہے۔ فرمایا کہ خدا کے باب میں فریب کار شیطان تمہیں دھوکے میں نہ رکھے۔ خدا بڑا رحیم و کریم بھی ہے اور بڑا ہی منتقم و قہار بھی۔ تمہارے تمام طغیان و فساد کے باوجود اس نے تمہیں جو ڈھیل دے رکھی ہے تو اس سے اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ تم اس کی گرفت سے باہر ہو یا تمہارے مزعومہ شرکاء نے تم کو بچا رکھا ہے یا وہ تم کو اس کی پکڑ سے بچالیں گے۔ اللہ کا نہ کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کی پکڑ سے بچانے والا بن سکتا۔ شیطان نے تم کو اس فریب نفس میں اس لیے مبتلا کیا ہے کہ اس طرح وہ تم کو سیدھے جہنم میں لے جاتا ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ خدا کی صفات کے باب میں گمراہی دراصل تمام گمراہیوں کی جڑ ہے اس وجہ سے شیطان یہیں سے انسان پر گھات لگاتا ہے۔ اسی خطرے سے آیت ”وَمَا غَرَّتْ بِكَ سَابِقَاتُكَ“ (الانفطار : ۶) میں آگاہ فرمایا گیا ہے۔

”اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۚ وَارْتَمٰ بِدَعْوَا حِزْبِهٖ لِيَكُوْنُوْا مِنْ

اَصْحَابِ الشَّعْبِ الْخٰسِرِ“

یعنی شیطان تمہارا دشمن اور کھٹہ ہوا دشمن ہے تو اپنے دشمن کو دشمن ہی سمجھو اور اس کی چالوں سے بچ کے رہو۔ یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ وہ تو تمہارا دشمن ہے لیکن تم نے اس کو اپنا مرشد سمجھ کر اپنی باگ اس کے ہاتھ میں پکڑا دی ہے! اگر اپنی باگ اس کے ہاتھ میں پکڑا دی ہے تو اس کا انجام سن لو کہ اس کی تمام سرگرمیوں کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اس کی پارٹی میں شامل ہو جائیں وہ ان سب کو جہنم کے گھاٹ پر لے جائے۔

”اَسْبِغِيْزًا لِّقَوْمٍ اَعْدَاۗءُ شِدِّیْذٌ ۙ وَاسْتِیْذِنِ الْمُنٰوِدُ الْعٰصِلُوْا الصُّلٰحٰتِ لَهُم مَّغْضَرَةٌ ۙ اَجْوَدُ سِیْرًا“

یہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ شافی کی وضاحت ہے جس کا ذکر اوپر آیت ۵ میں آیا ہے۔ مطلب یہ وعدہ شافی ہے کہ اللہ کے باب میں کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ یہ دنیا نیکی اور بدی، خیر اور شر میں کسی امتیاز کے بغیر ہی چلتی رہے گی جنہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے ان کو شیطان نے خدا کی صفات کے باب میں سخت دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ایک ایسا دن لازماً آنے والا ہے جس دن وہ لوگ عذاب شدید سے دوچار ہوں گے جنہوں نے کفر کیا ہو گا اور جن لوگوں نے ایمان و عمل صالح کی زندگی گزاری ہوگی وہ مغفرت اور اجر عظیم



کے حق دار ٹھہریں گے۔

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (۸)

جو لوگ نکلے

قانون کی زد میں

آپ کے دعا بیان

نہیں لائیں گے

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے ہیں تو اس میں تمہاری کسی تعمیر کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ قانون الہی کی زد میں آئے ہوئے لوگ ہیں تو ان کے غم میں اپنے کو ہلکان نہ کرو۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے تو جب وہ باخبر ہے تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کے وہ مستحق ہوں گے۔

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا كے بعد جواب بر بنائے قرینہ محذوف ہے۔ اگر اس حذف کو کھول دیجیے تو پوری بات یوں ہوگی۔ کیا وہ جس کی نگاہوں میں اس کی بد عملی کھبا دی گئی ہے اور وہ اپنی بدی کو نیکی سمجھنے لگا ہے، تم اس کو ہدایت دینے والے بن سکتے ہو؛ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا ہدایت پانا سنت الہی کے خلاف ہے تو ایسے لوگوں کی فکر میں اپنے کو گھلاینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرنا چاہیے۔ سورہ زمر کی آیت ۹ میں یہی بات یوں ارشاد ہوئی ہے۔

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ أَلَمْ يَأْتِ الْبِرَّ كَمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ  
أَفَأَنْتُمْ تُنْفِقُونَ فِي السَّارَةِ

کیا وہ جس پر عذاب کی بات پوری ہو چکی ہے ایک نام

اس کو بچانے اسے بن سکے جو دوزخ میں پڑ چکا۔

اس ٹکڑے سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کسی برائی کے ارتکاب کی ایک حالت تو وہ ہے کہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا ہے لیکن اس کے اندر اس کے برائی ہونے کا احساس زندہ رہتا ہے، دوسری حالت یہ ہے کہ اس کی برائی اس کی نگاہوں میں اس طرح کھبا دی جاتی ہے کہ وہ اسی کو بُرا، اسی کو نیش، اسی کو ترقی کا زینہ اور اسی کو تہذیب و تعلیم کا مقصد سمجھنے لگتا ہے۔ پہلی حالت میں یہ توقع رہتی ہے کہ اس کو اگر تذکر و تنبیہ کی جائے تو وہ سنبھل جائے گا لیکن دوسری حالت دل کے منہ اور عقل کے ماؤف ہو جانے کی علامت ہے جس کو قرآن نے ختم قلب یا رین سے تعبیر فرمایا ہے۔ جو اس بیماری میں مبتلا ہوا، وہ خدا کے قانون کی زد میں آچکا، اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

وَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِنَّ إِلَهًا لَّهُ هَدًى  
جہ ہدایت و ضلالت کے باب میں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے اور جس کی وضاحت ہم جگہ جگہ کرتے آ رہے ہیں۔ آگے اسی سورہ میں اس کی مزید وضاحت آرہی ہے۔

فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے غم میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے خود عقلی و روحانی خود کشی کی ہے اگر یہ ایمان نہیں لائے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تمہاری دعوت میں کوئی کسر ہے بلکہ ان کے دلوں پر



مہر ہو چکی ہے تو ان کا غم کھانے کے بجائے ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرو۔ وہ ان کی ساری کارستانیوں دیکھ رہا ہے، ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کے یہ سزاوار ہوں گے۔  
 'حَسْرَتِ' حال بھی ہو سکتا ہے اور مفعول لڑ بھی۔ کلام عرب میں دونوں کی نظیریں ملتی ہیں۔ اور  
 'عَلَيْهِمْ' کا تعلق میرے نزدیک 'حَسْرَتِ' سے ہے جس طرح 'يُخْسِرُهُ عَلَى الْعِبَادِ' میں ہے۔ اس کا  
 جمع کی صورت میں آنا فرط غم کے اظہار کے لیے ہے۔

## ۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۹-۱۸

آگے اس وعدہ شدنی کی، جس کا ذکر اوپر آیت ۵ میں ہوا ہے بطور تمہید پہلے دلیل بیان فرمائی  
 ہے، پھر بتایا ہے کہ جس کو خدا کا تقرب اور اس کی بارگاہ میں سرخ روئی مطلوب ہو وہ جھوٹے مسمودوں کو  
 تقرب کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس کا صحیح طریقہ اختیار کرے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی ایمان اور عمل صالح  
 کی راہ پر چلے۔ ایمان خدا کی طرف مسمود کرنے والی چیز ہے اور عمل صالح اس کو سہارا دیتا اور رفت بخشتا  
 ہے۔ اس کے سوا خدا کے تقرب کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے یہ راہ چھوڑ کر دوسری راہیں  
 نکالی ہیں اور اصل راہ سے لوگوں کو ہٹانے کے لیے رات دن طرح طرح کی سازشوں میں سرگرم ہیں ان کی  
 ساری سازشوں کے تار و پود ایک دن کبھر جائیں گے۔

پھر یہ واضح فرمایا کہ مال و اولاد میں بڑھوتری، عمر میں کمی بیشی اور اس طرح کی تمام باتیں اللہ تعالیٰ ہی  
 کے اختیار میں ہیں، فرشتوں یا جنوں یا دوسرے فرضی مسمودوں کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کائنات  
 کے تضاد میں جو ٹوٹا فتنی ہے وہ اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ اس کے اندر صرف ایک ہی خدا ہے  
 قادر و قیوم کا ارادہ کار فرما ہے۔ اس کے سوا کسی کو ذرہ برابر بھی کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

اس کے بعد لوگوں کو متنبہ فرمایا کہ یہ دعوت جو تمہیں دی جا رہی ہے تمہارے ہی نفع کے لیے دی جا رہی  
 ہے۔ خدا کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہیں خدا کے محتاج ہو۔ یہ دعوت قبول کرو گے تو اپنی دنیا و  
 عاقبت سنوارو گے اور اگر نہ کرو گے تو اپنے ہی کو تباہ کرو گے۔ ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ  
 کس مزاج کے لوگ اس دعوت کو قبول کریں گے اور کس طرح کے لوگ اس سے محروم رہیں گے۔ آیات  
 کی تلاوت فرمائیے۔

وَاللّٰهُ الَّذِي ارْسَلَ الرِّيْحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فُسْقُنُهُ اِلَىٰ بَلَدٍ مِّمَّتْ اٰيَاتِ  
 ۱۸-۹  
 فَاجْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ① مَنْ كَانَ



يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ  
وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ  
شَدِيدٌ وَمَكْرُؤُكُم هُيُورٌ ⑩ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ  
مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضَعُ  
إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعَمِّرُهُنَّ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ  
إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ⑪ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَيْنِ ۚ هَٰذَا عَذَابٌ فَرَاتٌ  
سَالِحٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلِّ تَاكُونٍ لَحْمًا طَرِيًّا  
وَتَسْتَخْرِجُونَ حُلِيَّةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاجِدَ تَتَّبِعُوا  
مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ⑫ يُوَلِّجُ الْبَلَّ فِي النَّهَارِ وَيُؤْجِ  
النَّهَارِ فِي الْبَلِّ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى  
فَرَكُمُ اللَّهُ رَبَّكُمُ لَهُ الْمُلْكُ ۖ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ  
مِنْ قُطْمِيرٍ ⑬ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا  
اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ  
مِثْلُ خَبِيرٍ ⑭ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ  
الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑮ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ⑯  
وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ⑰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ  
إِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِهَلَةٍ لَا يُحْمَلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَكَوُكُنَ  
ذَاقُ رَبِّي ۚ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا



الصَّلَاةُ وَمَنْ تَزَكَّى فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ ۚ إِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۸﴾

اور اللہ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ ابھارتی ہیں بادلوں کو پھر ہم ان کو نکتے  
ہیں کسی خشک زمین کی طرف پس ہم اس سے اس زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد از سر نو  
زندگی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کا از سر نو زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔ ۹

جو عزت کا طالب ہو تو یاد رکھے کہ عزت تمام تر اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کی طرف  
صعود کرتا ہے پاکیزہ کلمہ اور عمل صالح اس کلمہ کو سہارا دیتا ہے۔ اور جو لوگ بری چالیں چل  
رہے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی چال نابود ہو کے رہے گی۔ ۱۰

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر پانی کی بوند سے اور پھر تم کو جوڑے جوڑے  
بنایا۔ اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنفتی ہے مگر اس کے علم سے۔ کسی عمر دالے کی  
عمر میں نہ زیادتی ہوتی نہ کمی مگر یہ ایک کتاب میں نوشتہ ہے۔ یہ سب اللہ کے لیے  
آسان ہے۔ ۱۱

اور دونوں دریا یکساں نہیں ہیں۔ ایک شیریں، پیاس بجھانے والا، پینے کے لیے  
خوش گوار ہے اور ایک کھاری کڑوا ہے۔ اور تم دونوں سے تازہ گوشت کھاتے اور زیت  
کی چیز نکالتے ہو جس کو پھنٹے ہو۔ اور تم دیکھتے ہو کشتیوں کو اس میں پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں  
تاکہ تم اس کے فضل کے طالب بنو اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں  
اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے سورج اور چاند کو ستھر کر رکھا ہے۔ ہر ایک  
گردش کرتا ہے ایک معین وقت کے لیے۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے،  
رہے وہ جن کو اس کے سوا تم پکارتے ہو تو وہ ذرہ برابر کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری فریاد نہیں سنیں گے اور اگر نہیں گے بھی تو تمہاری فریاد رسی نہیں کریں گے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔ اور ایک باخبر کی طرح کوئی دوسرا تمہیں آگاہ نہیں کر سکتا! ۱۲-۱۳

۱۔ لوگو! تمہی اللہ کے محتاج ہو، اللہ تو بے نیاز و ستودہ صفات ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لاکھڑی کرے اور یہ اللہ کے لیے ذرا مشکل نہیں۔ ۱۵-۱۶ اور کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی اور اگر کوئی بوجھل جان اپنے بوجھ کے اٹھانے میں کسی سے طالب مدد ہوگی تو اس میں ذرا بھی اس کا ہاتھ نہیں بٹایا جائے گا اگرچہ وہ قرابت مندی کیوں نہ ہو۔ تم تو بس انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈرتے اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور جو پاکی حاصل کرتا ہے وہ اپنے لیے حاصل کرتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کی واپسی ہے۔ ۱۸

### ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاللّٰهُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیَّاحَ فَتُثَوِّرُ سَحَابًا فَمُغْنِمًا لِّیْ بَلَدٍ مِّمَّیْنٍ فَاَخْبِیْنَا بِہِ الْاَرْضَ مَعْدًا مَّوَدَّہَا مَکْذُوْبًا لِّلنَّشُوْرِ (۹)

اوپر آیت ۵ میں جس وعدہ شدنی کی یاد دہانی فرمائی ہے کائنات کے مشابہات سے یہ اس کی دلیل پیش کی ہے کہ اس کو مستعد نہ سمجھو۔ مرنے کے بعد لوگوں کو قبروں سے اٹھا کر کرنا اللہ کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ تم اس دنیا میں برابر دیکھتے ہو کہ زمین بالکل خشک پڑی ہوتی ہے، اس میں سبزہ اور روئیدگی کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہوتا کہ اللہ کسی طرف سے براؤں کو بھیجتا ہے۔ وہ تمہارے دیکھتے دیکھتے بادلوں کو ابھارتی اور جمع کرتی ہیں۔ پھر ہم ان کو اس مردہ زمین کی طرف بانٹ کر لے جاتے اور اس کو سیراب کر دیتے ہیں جس سے اس کے ہر گوشے میں از سبب نوزندگی نمودار ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ مَکْذُوْبًا لِّلنَّشُوْرِ اسی طرح قیامت کے دن لوگوں کا از سبب نوحی کر اٹھنا ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کا

یہ دنیا اپنے  
دہر میں ایک  
تعلیم گاہ ہے



مشابہہ تو تم کو اس دنیا میں اللہ برابر کر رہا ہے تو تم قیامت کو نا ممکن کیوں خیال کیے بیٹھے ہو! — یہ حقیقت اس کتاب میں جگہ جگہ ہم واضح کرتے آ رہے ہیں کہ یہ دنیا اپنے وجود میں ان تمام حقائق کی تعلیم کے لیے ایک بہترین تعلیم گاہ ہے جن کی قرآن تعلیم دے رہا ہے۔ اگر انسان عقل و بصیرت سے کام لے تو قرآن کے ہر دعوے کی دلیل اس کو اپنے دینے بائیں سے مل سکتی ہے۔

اس آیت میں اسلوب کلام بھی قابلِ توجہ ہے۔ پہلے ماضی کا صیغہ اذْهَبَ استعمال ہوا ہے۔ پھر مضارع تَشِيرُ آگیا۔ اس کے بعد شَفَّتْ اور اَعْيَيْتْ متکلم کے صیغے آ گئے۔ اسلوب کا یہ نوع اپنے ایک اسلوب اندر گونا گوں خبریاں رکھتا ہے جن کی تفصیل کا یہ عمل نہیں ہے۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ ماضی تو صرف بیانِ واقعہ کے لیے آتا ہے۔ مضارع میں تصویرِ حال کا پہلو بھی ہوتا ہے اور متکلم کا صیغہ انکشاف و غایات خاص پر دلیل ہوتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْغَزَاَ فَلِلّٰهِ الْغَزَاَ جَمِيعًا ۚ لَّيْسَ لَهُ يَصْعَدُ اِلَيْهِ اَنْ يَّكَلُمَ الطَّيِّبَ ۚ وَتَسْمَعُ الصَّٰبِحَ  
يَوْمَهُ ۚ وَمَا الَّذِيْنَ يَنْكُرُوْنَ الشَّيْءَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ طُوًى مَّكَرًا وَّ اِيْلًا ۚ هُوَ يَوْمُ رُءُوۡسِ

مطلب یہ ہے کہ قیامت تو بہر حال شہنی ہے اور ہر ایک کو اللہ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ رہا یہ خدا کے تقرب سوال کہ خدا کے ہاں کن کو عزت و سرخروئی حاصل ہوگی اور کن کو ذلت و نامرادی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور بعد میں تو جن کو اس سوال کا صحیح جواب مطلوب ہے وہ یاد رکھیں کہ عزت تمام تر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس ایمان اور وجہ سے جس کو بھی یہ حاصل ہوگی اسی کے تعلق اور اسی کی عزت بخشی سے حاصل ہوگی۔ عملِ صالح ہے

لَّيْسَ لَهُ يَصْعَدُ اِلَيْهِ اَنْ يَّكَلُمَ الطَّيِّبَ ۚ وَتَسْمَعُ الصَّٰبِحَ يَوْمَهُ ۚ یہ اس عزت کے حاصل کرنے کا طریقہ ارشاد ہوا کہ بندوں کی طرف سے اللہ کی طرف صعود کرنے والی چیز کلمہ طیب یعنی کلمہ ایمان ہے۔ اس کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں جو خدا سے توسل اور قربت کا ذریعہ بن سکے۔ اس کلمہ ایمان کو جو چیز سہارا دیتی اور رفعت بخشی ہے وہ عملِ صالح ہے۔ عملِ صالح کے بغیر کلمہ ایمان مرجحاً کے رہ جاتا ہے۔ گویا کلمہ ایمان کی مثال انگور کی پیل کی ہوئی جو بے تربیلگی خود نہایت شرب بار لیکن اس کی شادابی و ثمر باری کا تمام تر انحصار اس امر پر ہے کہ اس کو کوئی سہارا ملے جس پر وہ چڑھے، پھیلے اور پھوسے پھلے۔ یہ سہارا اس کو عملِ صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ عملِ صالح ہی اس کو پروان چڑھاتا اور ثمر و بار آور بناتا ہے۔ اگر جس طرح انگور کی پیل سہارے کے بغیر ٹکڑے کے رہ جاتی ہے اسی طرح ایمان بھی عملِ صالح کے بدون مرجحاً کے رہ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے اَنْ يَّكَلُمَ الطَّيِّبَ سے کلمہ ایمان ہی مراد لیا ہے اور یہاں اس کے پہلو پہلو عملِ صالح کا ذکر خود اس بات کی شہادت ہے کہ اس سے کلمہ ایمان ہی مراد ہے۔ لفظ طَيِّب اس کلمہ کی زرخیزی و ثمر باری کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس لیے کہ فلسفہ دین کے نقطہ نظر سے بھی کلمہ تمام علم و حکمت



کی جڑ ہے۔ جس نے اس کو پایا اس نے تمام علم و حکمت کے خزانے کی کلید پائی اور یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ایمان اور عمل صالح دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح ایمان کے بغیر عمل کی کوئی بنیاد نہیں اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے جان شے ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے سورۃ ابراہیم کی آیات ۲۶-۲۷ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں ایک نظر اس پر ڈال دیجیے۔

یہ بات یہاں مشرکین پر یہ حقیقت واضح کرنے کے لیے فرمائی گئی ہے کہ تم اپنے معبود ملائکہ کو خدا کے ہاں عزت و سر فرازی کا واسطہ سمجھے بیٹھے ہو حالانکہ عزت صرف اللہ کے لیے ہے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ وہ ایمان ہے جس کے ساتھ عمل صالح کی تائید موجود ہو۔ قرآن میں مشرکین کی نسبت یہ بات جگہ جگہ نقل ہوئی ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو خدا کے ہاں عزت و سرخروئی کا ذریعہ خیال کرتے تھے مثلاً

مَا تَعْبُدُونَ إِلَّا لِيُقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ ذُلُّنَا (الزمر: ۳)

ہم ان کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے قریب تر کر دیں۔

دوسری جگہ ہے۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا (مريم: ۸۱)

اور انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے عزت کا ذریعہ بن سکیں۔

ان کے اسی واہمہ پر یہاں ضرب لگائی ہے کہ اس جنت الحقاء سے نکلنا اور خدا کے ہاں عزت کے طالب ہو تو اس کے لیے ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کرو۔

وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ یعنی جو لوگ اس حقیقت کا مواجہہ کرنے کے بجائے اپنے پندار کے تحفظ اور اللہ کے دین اور اس کے رسول کو زک پہنچانے کے لیے طرح طرح کی بری چالیں چل رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس طرح ان کو عزت نہیں حاصل ہوگی بلکہ وہ اپنے لیے ایک سخت عذاب کا سامان کر رہے ہیں۔

اس ٹکڑے میں سَیِّئَاتٍ کا نصب کچھ بیگانہ سا محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ فعل 'مکروا' اس طرح متعدي نہیں ہوتا۔ صاحب کشف نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ 'سَیِّئَاتٍ' یہاں مصدر کی صفت ہے۔ یعنی 'یَمْکُرُونَ السَّیِّئَاتِ' یہ توجیہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ آگے آیت ۲۳ میں اس کی نظیر موجود ہے۔ 'وَمَكْرُهُمْ ذُلٌّ هُوَ يَتَّبَعُهُ' یعنی جو لوگ اس غریب نفس میں خود بھی مبتلا اور دوسروں کو بھی مبتلا رکھنے کے لیے رات دن جوڑ توڑ میں سرگرم ہیں وہ یاد رکھیں کہ ایک دن ان کی یہ ساری سازشیں اور سرگرمیاں نابود ہو جائیں گی۔ یہاں مبتلا کے اعلیٰ سے کلام میں یہ زور پیدا ہو گیا ہے کہ ان لوگوں کی ان ساری سازشوں سے کسی دوسرے کا کچھ نہیں بچے گا بلکہ تا ہی ان کی سازشوں ہی پر آئے گی اور وہ اپنی خرابی کا باعث ہوں گی۔ آگے اس مضمون کو کھول دیا ہے۔ فرمایا ہے وَلَا يَحِثُّ لَكُمْ اسْتِغْرَاكُ



بِأَهْلِهِ (اور بڑی چالیں انہی کو تباہ کرتی ہیں جو بڑی چالیں چلتے ہیں) اس لیے کہ حتیٰ ایک متاعِ مشترک اور سب کی فلاح کا ذریعہ ہے۔ اگر کوئی اس کی مخالفت کرتا ہے تو خود اپنی ہی آنکھیں پھوڑتا اور اپنے ہی پاؤں پر کھنٹا رہتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَرْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعْتَمِرُ مِنْ عُمْرٍ إِلَّا يَنْفُسُ مِنْ عُمُرٍ ۚ لَآ فِي كِتَابٍ مِّمَّا رُتِّلَتْ عَلَيْكَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ نَبَأٌ يَكُونُ

یعنی اولاد اور عمر میں جو کمی بیشی بھی ہوتی ہے وہ اللہ کے علم اور اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ ان شرکین کے ایک چیزوں میں بھی تمہارے ان دیویوں دیوتاؤں کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان کے لیے بھی تمہیں خدا (وہمہ کی تردید) ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کا سہارا نہیں ڈھونڈنا چاہیے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ مال و اولاد اور صحت و زندگی اور اس قبیل کی دوسری مطلوبات ہمیشہ شرک کے عوامل میں سے رہی ہیں جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی، یا ہوتی ہے لیکن زندہ نہیں رہتی یا صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں، اولاد ذرینہ نہیں پیدا ہوتی، اس طرح کے لوگ اگر دہی ہوتے ہیں تو شیطان بڑی آسانی سے ان کا رُخ تھانوں، استخوانوں، قبروں اور مزاروں کی طرف موڑ دیتا ہے۔ شرکین عرب کے شرک میں بھی اس عامل کو بڑا دخل رہا ہے۔ وہ اپنے معبودوں کو آسمان و زمین کا خالق تو نہیں سمجھتے تھے لیکن رزق اور مال و اولاد وغیرہ کے معاملات میں ان کو — خاص طور پر رزق و ثروت کو — بہت دخیل سمجھتے تھے۔ اسی طرح بیماری اور موت وغیرہ کے معاملے میں وہ جنوں کو متصرف خیال کر کے ان کی پرہیزگاری، ہم سورۃ النعام کی تفسیر میں ذکر کر آئے ہیں کہ بعض جنوں کو وہ اتنا خطرناک سمجھتے تھے کہ ان کے لیے اپنی اولاد تک کی قربانی کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کسی بیٹے یا بیٹی کی قربانی دے کر ان کو راضی نہ رکھا جائے تو یہ ساری اولاد چٹ کر جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ کسی بیماری میں مبتلا ہوتے وہ بھی ان دیویوں دیوتاؤں کی طرف رجوع کرتے اور ان سے صحت اور طولِ عمر کی دعا کرتے۔ اس آیت میں انہی ادہام پر ضرب لگائی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَرْوَاجًا ۚ یہ ٹکڑا آگے کے مضمون کے لیے ایک ستم حقیقت بطور تمہید ہے۔ اس میں اس ستم حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے آدمؑ کو تھامے سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے ان کی نسل چلائی پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ سارا گھر بنایا اور بسایا تو خدا نے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے تمہیں بھی انکار نہیں ہے تو اس گھر کو بسا کر آخر خدا کو کیا مشکل پیش آئی کہ وہ اس کے رزق، اولاد اور عمر وغیرہ کے معاملات دوسروں کے سپرد کرنے پر مجبور ہو گیا؟ کیا جو تمہیں مٹی سے بنا سکتا ہے، پانی کی ایک بوند سے تمہاری نسل چلا سکتا ہے، تمہیں میاں بیوی کی صورت میں آباد کر سکتا ہے، وہ تمہارے رزق، تمہاری اولاد اور تمہاری عمر کے معاملات کو سرانجام دینے سے قاصر ہے کہ ان کے لیے تمہیں دوسرے آستانوں کا محتاج بنائے!



ایک نکتہ بھی  
کا ازالہ

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ۔ یہ اوپر والی تمہید کے لازمی نتیجہ کی طرف اشارہ  
فرمایا کہ جس نے آدم علیہ السلام کا یہ کتبہ بسایا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون عورت کب حاملہ ہوئی اور  
اس کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کب اس کو جنے گی اور کس شکل میں جنے گی  
———— یہاں علم کا حوالہ خاص طور پر اس دہرے دیا کہ مشرکین عرب خدا کے خالق ہونے کے منکر نہیں  
تھے ان کو وہم تھا تو یہ تھا کہ اتنی وسیع و عریض دنیا کے ہر معاملے کی خبر خدا کو کس طرح ہو سکتی ہے اس دہرے  
سے بہت سے معاملات جو رزق و عمر اور اولاد وغیرہ سے متعلق ہیں اس نے اپنے شرکار کے حوالے کر دیے  
ہیں۔ قرآن نے اَلَّذِي يَخْتارُ الْاَعْيُنَ کے نکتے ان کے اسی دابہ پر ضرب لگائی ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا  
واقعہ بھی اس دنیا میں ایسا نہیں ہوتا جو اس کے خالق کے دائرہ علم سے باہر ہو۔

وَمَا يَعْشَرُ مِنْ عَشِيرٍ وَلَا يَنْفَعُ مِنْ عَشِيرٍ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّفَصَّلٍ یہاں طویل العمر  
کے مفہوم میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کو کوئی عمر ملتی ہے خواہ طویل یا قصیر صاحب  
کشف نے اس کا یہی مفہوم لیا ہے اور ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے۔

یہ اوپر والے مضمون ہی کی مزید وضاحت ہے کہ جس کو بھی کوئی عمر نصیب ہوتی ہے اور پھر اس  
عمر میں سے جو گھنٹے اور دن کم ہوتے ہیں وہ خدا کے حکم اور علم سے ہوتے ہیں۔ اَلَّذِي يَخْتَارُ  
کے الفاظ اَلَّذِي يَخْتَارُ کی جگہ پر ہے اور اس سے اوپر والا مضمون مزید حکم و مقرر ہو گیا ہے یعنی صرف  
یہی نہیں کہ خدا ان ساری باتوں کو جانتا ہے بلکہ ان میں سے ہر چیز ایک عظیم کتاب میں مندرج ہے اس  
دہم میں نہ رہو کہ خدا کسی چیز کو بھول جائے گا۔

اِنَّ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔ یہ اسی شعبہ کا ازالہ ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے  
کہ اہل عرب اس دہم میں مبتلا تھے کہ بعد خدا تین تنہا ان تمام جزئیات امور کا اعلا کس طرح کر سکتا ہے اس  
دہم کے تحت انھوں نے خدا کی مدد کے لیے شرکاء و اعوان ایجاد کیے اور پھر ان کی عبادت میں اس طرح  
لگے کہ خدا ان کے ہاں ایک وجود معطل ہو کے رہ گیا۔ یہ ان کے اسی دابہ کی تردید ہے کہ خدا کے  
لیے ان کاموں میں سے کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ کسی شریک و مددگار کا محتاج ہو۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَعْرَانِ هَٰذَا عَذَابٌ مُّؤْتَمَرٌ لِّشَرَابِهِ وَهَٰذَا مُلْحٌ جَاجٌ طَوِّمٌ مِّنْ كَلِّ  
تَاكُونُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حَلِيَّةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاجِرَ تَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ  
وَمَعَكُمْ تَشْكُرُونَ اَبَلٌ فِي النَّهَارِ وَدُيُوجُ النَّهَارِ فِي الْاَيْلِ وَتَسْخَرُ السُّسُ وَالْعَمَدُ كُلُّ يَجْبِرِي  
لَا جَبَلٍ مِّنْهُ ذٰلِكُمْ اَللّٰهُ رَبُّكُمْ لَئِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ مَا يَلْبِسُوْنَ مِنْ قَطِيْرٍ ۝۱۲-۱۳

یہ ایک دوسرے پہلو سے شرک اور شرکار کی تردید فرماتی گئی۔ اس کائنات میں ازداد کا جو تعداد ہے  
یہ بھی شرک کے نہایت اہم عوامل میں سے ہے۔ قرآن نے مختلف پہلوؤں سے اس کی تردید فرمائی ہے اور ہم

شرک اور شرکار کی تردید ضرور  
میں سازگاری کے لیے ہے



اس کی وضاحت کرتے آرہے ہیں۔ یہاں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں تضاد کا وجود اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے اندر مختلف ارادے کا روبرو ہیں اس لیے کہ اس کے تضاد میں ظاہری تضاد کے ساتھ ساتھ نہایت گہری سازگاری بھی پائی جاتی ہے جس سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ کوئی بالاتر اور ہمہ گیر و مجتہد قوتِ نامہروان تمام تضاد پر حاوی ہے جو ان کو اپنی حکمت کے تحت اس کائنات کی عمومی ہیئت کے لیے استعمال کر رہی ہے۔

وَمَا يَكْتُمُ الْبَحْرَانِ - الآية یعنی دیکھو، دو سمندر ہیں اور دونوں اپنی ظاہری خصوصیات و صفات میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ایک کا پانی شیریں، پیاس بھرنے والا اور خوشگوار ہے، دوسرے کا کھاری، کڑوا۔ یہ دونوں آپس میں ٹکراتے ہیں لیکن یہ نہیں ہوتا کہ کھاری سمندر میٹھے سمندر پر غالب ہو کر اس کو کھاری بنا دے یا شیریں سمندر کھاری کے مزاج کو بدل دے بلکہ ایک بالاتر قوت نے ان دونوں کو ٹکرنے کے باوجود ان کے حدود کا پابند کر رکھا ہے۔ سورہ رحمان میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔  
مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ (الرحمان ۱۹-۲۰) (اس نے پھوڑے دو دریا، دونوں باہم دگر ٹکراتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان ایک اوٹ ہوتی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے)۔ یہ پھر یہ دیکھو کہ کس طرح یہ اپنے تضاد و اختلاف کے باوجود اپنے سے بالاتر مقصد کی خدمت بجا لاتے ہیں کہ تم دونوں ہی سے اپنے بے بے بھری سفروں میں جہاں تازہ گوشت حاصل کرنا ناممکن ہوتا، ان سے تازہ گوشت حاصل کر لیتے ہو اور غذا کے ساتھ اپنی زینت کے لیے ان سے قیمتی ٹوٹی بھی نکالتے ہو۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہارے لیے اس طرح مستحکم ہیں کہ تمہارے جہازات ان کے سینے پر سے موجوں کو بچارتے ہوئے چلتے ہیں تاکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کر کے تم اللہ کے رزق و فضل کے طالب بنو اور اس کے شکر گزار رہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کے ظاہری تضاد میں گم ہو کے نہ رہ جاؤ بلکہ ان تضاد کے بھی توافقی پر بھی نگاہ ڈالو تو یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ ایک ہی خدا کے قادر و قیوم نے اس دنیا کو وجود بخشا ہے اور اسی نے اپنی قدرت و حکمت سے اس کے تمام اجزائے مختلفہ کو انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے تاکہ انسان اپنے پروردگار کا شکر گزار رہے۔

يُولِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَالنَّهَارُ فِي اللَّيْلِ - یہ اسی حقیقت کی طرف ایک دوسری مثال ہے تو جہ دلائی ہے کہ یہی حال تمہارے سامنے روز آنے والی رات اور روز ظاہر ہونے والے دن کا بھی ہے۔ وہ بھی بظاہر ضدین کی نسبت رکھتے ہیں لیکن ان کے درمیان بالکل زوہدین کا توافقی پایا جاتا ہے۔ دونوں ہی اس دنیا کے بقا اور تمدنی راحت و معیشت کے لیے ضروری ہیں۔ یہی حال سورج اور چاند کا بھی ہے۔ نادانوں نے ان کو معبود بنا کر پوجا حالانکہ وہ اپنے وجود سے شہادت دیتے ہیں کہ خدا نے ان کو اپنی خلق کی خدمت کے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ چنانچہ دونوں اپنے معین نظام اوقات کے ساتھ برابر تمہاری خدمت میں سرگرم رہتے ہیں۔



ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ يَوْمَ تُنَادَىٰ سَارِيحُ بَحْثُكَ كَرِهِيَ اللَّهُ جَسَدُكَ  
تقدیم اور حکمتیں دیکھتے ہو تمہارا رب ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے  
وَالَّذِينَ نَادَعُوا مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ۚ قُطْمِيرٌ اِس بَارِک غلاف  
کو کہتے ہیں جو کچھور کی گتھلی کے اوپر ہوتا ہے۔

یہ وہی بات منفی اسلوب سے فرمائی کر رہے وہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے اور پوجتے ہو تو وہ  
اس دنیا کے خلق و تدبیر میں ذرہ برابر بھی دخل نہیں رکھتے۔

اِنَّ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَتَكَفَّرُونَ  
بِشْرِكِكُمْ ۚ وَلَا يَبْنِيْكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (۱۴)

اِسْتَجَابَ لَہُ کے معنی ہیں اس کا جواب دیا یا اس کی فریادری کی۔

یہ ان کے مزعوم دیوتاؤں کی بے بسی اور بے حقیقتی واضح فرماتی ہے کہ اگر تم اپنی کسی شکل میں ان  
کے لیے پکارو گے تو اول تو وہ تمہاری فریادیں سنیں گے نہیں اور سن بھی لیں تو وہ تمہاری کوئی فریادری  
دنیا اور آخرت نہیں کریں گے۔ ان کی یہ بے بسی اس دنیا میں بھی واضح ہے اور آخرت میں یہ مزید ہو جائے گی۔ مشرکین  
جن چیزوں کو پوجتے تھے اول تران کا کوئی شئی موجود ہی نہیں تھا اس وجہ سے ان کے منہ سے یا فریادری  
کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر کچھ ایسی ہستیوں کو پوجتے تھے جن کا کوئی وجود ہے تو اول تو وہ  
آخرت میں اپنے بے خبری کا اظہار کریں گی کہ ہمیں علم نہیں کہ کچھ لوگ ہماری عبادت کرتے رہے ہیں۔ ثانیاً  
ان میں سے جو صالحین ہوں گے مثلاً ملائکہ اور انبیاء وہ تو صاف الفاظ میں اعلان برادرت کریں گے۔  
اور جو شرار ہوں گے مثلاً جنات و شیاطین تو وہ ان فریاد کرنے والوں کو جواب دیں گے کہ یہ تمہاری بھتی  
تھی کہ تم نے ہماری پرستش کی، اب اس کا انجام بھگتو۔ اب نہ تم ہمارے کچھ کام آ سکتے اور نہ ہم تمہاری کوئی  
فریادری کر سکتے ہیں۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ ۚ یعنی اس دنیا میں تو وہ تمہاری فریاد سے بے خبر اور تمہاری  
فریادری سے بے بس ہیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔ چنانچہ فرشتوں کے انکار  
کی تفصیل سورہ سبا میں بدیں الفاظ گزر چکی ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ لَهُمْ جَسَدُكَ ثُمَّ يُعْمَلُ  
لِلشَّيْطٰنَةِ اَهْوَاؤُهَا لَمْ كَانُوا  
يَعْبُدُوْنَ ۚ قَالُوا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ  
رَبِّنَا مِنْ دُونِهِمْ ۚ سُبْحٰنَكَ لَوْ  
يَعْبُدُوْنَ اَيْحٰن (سبا: ۲۰-۲۱)

اور اس دن کا دھیان کر جس دن وہ ان سب کو  
اکٹھا کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ  
تمہاری پرستش کرتے رہے ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ  
نہیں ایک ہے، ان کے مقابل میں تو ہمارا کارما رہے ہو  
یہ لوگ جنوں کی پوجا کرتے رہے ہیں۔







وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى جُنْدٍ لَّا يَحْمِلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَّقَدْ كَانَتْ اَدْرُبًا مِّثْقَلَةٌ  
 پہلے موصوف مخذوف ہے۔ یعنی 'نفس مثقلہ' (اپنے بارگاہ کے نیچے دبی ہوئی جان)۔ اسی طرح 'انی  
 جُنْدٍ لِّهَا' میں 'جُنْدٍ' سے پہلے مضاف مخذوف ہے اور 'کان' کے بعد اس کا اسم المذکور مخذوف  
 ہے۔ یہ تمام مخذوفات اعلیٰ عربیت کے معروف قواعد کے مطابق ہیں۔

انجمنِ مسلم  
کوئٹہ

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے گناہوں سے بوجھل جان کسی کو پکارے گی کہ ذرا وہ اس کے بوجھ  
 کے اٹھانے میں اس کو سہارا دے دے تو کوئی اس کا ہاتھ ٹٹلنے والا نہیں بنے گا اگرچہ جس کو وہ مدد کے  
 لیے پکارے وہ قریباً رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ نیک تو اس لیے اس کا ہاتھ نہیں بٹائیں گے کہ جب وہ  
 دنیا میں اس کے گناہوں میں اس کے ساتھی نہ بنے تو وہ آخرت میں اس کے ساتھی کیوں بنیں اور جو بد  
 ہوں گے وہ خود اپنے بوجھ کے تلے دبے ہوں گے وہ کسی دوسرے کو کیا سہارا دے سکیں گے!

رَأٰنَا تَنْذِرًا لِّلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ ۚ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۚ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ  
 کے لیے تسلی ہے کہ تم ان حقائق سے لوگوں کو باخبر کرو اگر یہ تنبیہ ہوتے ہیں تو تمہارا۔ نہیں ہوتے ہیں تو ان  
 کو ان کے حال پر چھوڑو۔ تمہارا انذار صرف انہیں لوگوں پر کارگر ہو سکتا ہے جو اپنی عقل اور سمع و بصر و  
 فؤاد کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں اور غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈریں اور نماز کا اہتمام کریں یہ ہے  
 وہ لوگ جو سب کچھ آنکھوں سے دیکھ کر ماننا چاہتے ہیں تو ان کا علاج تمہارے پاس نہیں ہے۔ ان کا علاج  
 ہمارے اوپر چھوڑو۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ کا ذکر یہاں ایمان کے اولین ثمرہ اور خشیتِ رب بالغیب کی علامت کے طور  
 پر ہوا ہے۔ جو شخص غیب میں خدا سے ڈرتا ہے وہ لازماً نماز کا اہتمام کرتا ہے۔ جو نماز سے بے پروا ہے  
 وہ خدا سے بے پروا ہے اگرچہ وہ زبان سے ایمان کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کرے۔

وَمَنْ تَزَكَّيْ فَاِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهٖ ۚ وَاِلٰى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ یہ نماز کے فائدے کی طرف اشارہ  
 فرمایا ہے کہ جو شخص گناہوں کے بوجھ سے سکدوش اور پاکیزہ ہونا چاہتا ہو وہ جھوٹے سہاروں پر اعتماد کرنے  
 کے بجائے نماز کا اہتمام کرے۔ یہ چیز اس کو گناہوں سے پاک کرے گی اور جس نے پاکیزگی حاصل کی وہ اپنا  
 ہی بھلا کرے گا اس لیے کہ اللہ کسی کی عبادت و اطاعت کا محتاج نہیں ہے بلکہ بندے خود ہی اس کے  
 محتاج ہیں اور سب کی واپسی پر حال اسی کی طرف ہوتی ہے۔

## ۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۹-۲۸

آگے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ کس طرح کے لوگ ایمان لائیں گے اور کس قسم کے لوگ اس نعمت  
 سے محروم رہیں گے۔ اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے اس کائنات کے اندر تضاد کے وجود کی طرف توجہ



دلائل کہ دیکھتے ہو کہ اس کے اندر روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی، گرمی بھی ہے اور سردی بھی۔ اسی طرح زمین میں زرخیز قطعات بھی ہیں جو بارش کا پھینٹا پڑتے ہی لہلہا اٹھتے ہیں اور بنجر علاقے بھی ہیں جو ہزار بارش ہو لیکن ویران ہی پڑے رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح اشخاص و افراد کے اندر بھی مختلف قسم کی صلاحیتیں رکھنے والے ہیں۔ جن کی صلاحیتیں زندہ ہیں وہ اس رحمت کی بارش سے، جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے، فائدہ اٹھائیں گے اور جن کی صلاحیتیں مردہ ہو چکی ہیں وہ اس کے فیض سے محروم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح روشنی و تاریکی اور سردی و گرمی کو اس کائنات کی مجموعی مصلحت کے لیے پیدا کیا ہے اسی طرح اس کے اندر حق کے طالبوں کی طرح باطل کے پسند کرنے والوں کو بھی ہدایت دی ہے اس لیے کہ حق و باطل کے اس تصادم ہی کے اندر اہل حق کے جو ہر نکتہ پر ہیں اور اہل باطل پر اللہ کی محبت تمام ہوتی ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ۝ وَلَا  
 لَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ  
 إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ۚ  
 إِنَّ أَنتَ الْآنَذِيرُ ۚ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا  
 وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۚ ۝ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ  
 الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ  
 وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۚ ۝ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ  
 نَكِيرِ ۚ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ  
 ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَهِيَ الْجِبَالُ جُدَدٌ بَيضٌ وَحُمْرٌ  
 مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۚ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ  
 وَأَلْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۚ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ  
 الْعُلَمَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۚ ۝



نابینا اور بینا دونوں یکساں نہیں ہوں گے اور تاریکی اور روشنی اور سایہ اور  
دھوپ یکساں ہیں اور زندہ اور مردے یکساں ہوں گے۔ اللہ ہی جن کو چاہتا ہے  
سنا تا ہے اور تم ان کو سنانے والے نہیں بن سکتے جو قیروں کے اندر ہیں۔ تم تیس ایک  
نذیر ہو۔ ہم نے تم کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت ایسی نہیں  
ہوئی ہے جس کے اندر ایک نذیر نہ آیا ہو۔ اور اگر یہ لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے  
پہلے جو لوگ ہوئے ہیں انھوں نے بھی جھٹلایا۔ ان کے پاس ان کے رسول اُضحیٰ دلائل  
صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے تھے۔ پھر میں نے ان لوگوں کو پکڑا تو دیکھو کیسی  
ہوئی ان کے اور پر میری پھٹکار! ۱۹-۲۶

تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پس ہم نے اس سے مختلف  
رنگوں کے پھل پیدا کر دیے۔ اور پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ مختلف رنگوں کی دھاریاں  
ہیں اور بھنگ کالی بھی۔ اور انسانوں، جانوروں اور چارپایوں کے اندر بھی مختلف رنگ کے  
ہیں۔ اسی طرح اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں۔  
بے شک اللہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ ۲۷-۲۸

## ۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ (۱۹)

”اَعْمٰی سے مراد یہاں عقل و دل کے اندھے ہیں اور ”بَصِيرُ“ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی عقل و دل  
کی صلاحیتیں زندہ ہیں اور وہ ان سے کام لیتے ہیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ  
تمہاری دعوت قبول کرنے کے معاملے میں ہر ایک کا حال یکساں نہیں ہوگا۔ جن لوگوں نے اپنی عقل  
کی آنکھیں پھوڑ لی ہیں اور جن کے دل بے نور ہو چکے ہیں وہ لوگ تمہاری دعوت قبول کرنے والے نہیں

ہدایت و نصیحت

کے سامعین

خدا کا قانون



نہیں گے خواہ تم کتنے ہی جنس کرو۔ تمہاری روشنی سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جن کے اندر بصیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اس کی بخشی ہوئی فطری صلاحیتوں کو زندہ رکھتے اور ان کی قدر کرتے ہیں ان کی بصیرت و ہدایت میں وہ مزید اضافہ فرماتا ہے اور جو لوگ ان صلاحیتوں کی قدر نہیں کرتے ان کو مزید عطا ہوتا تو درکنار ان سے وہ بھی سلب کر لی جاتی ہیں جو ان کو عطا ہوئی ہوتی ہیں۔ سورہ نمل میں یہی مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمُوتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ النَّمْلَ الشَّامِخًا إِذَا  
وَلَّوْا مُذِيرِينَ ۚ وَمَا أَنتَ  
بِعَلِيٍّ الْعَنِيَّ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۖ  
إِنَّ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ  
بِآيَاتِنَا ۚ (النمل : ۸۰-۸۱) تم مردوں کو انچلیات نہیں سنا سکتے اور  
نہ بہروں کو سنا سکتے جب کہ وہ پیٹھ پھیر کے بھاگے  
جا رہے ہوں۔ اور تم انہوں کو بھی ان کی ضلالت  
سے سڑ کر ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ تم تو میں انھیں  
کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان رکھنے  
والے ہوں۔

وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الْبُطُلُ وَلَا الضُّعُفُ (۲۱-۲۲)

فرمایا کہ جس طرح اس دنیا میں تاریکی بھی ہے اور روشنی بھی، سایہ بھی ہے اور گرمی بھی، اور بڑے دنوں کے یکساں نہیں ہو سکتے، اسی طرح یہ دونوں قسم کے لوگ جن کا ذکر اوپر ہوا یکساں نہیں ہو سکتے۔ تاہم جس طرح تاریکی اور روشنی، سایہ اور گرمی دونوں میں اس دنیا کی مصلحت مضمر ہے اسی طرح اس قسم کے لوگوں کے وجود میں بھی قدرت کی مصلحت ہے۔ اس مصلحت کا ذکر قرآن کے دوسرے مقامات میں ہوا ہے۔ وہاں واضح فرمایا ہے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کے اختیار کے امتحان کے لیے پیدا کی ہے اس وجہ سے اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس میں ایک خاص حد تک ان لوگوں کو بھی مہلت ملے جو اس کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کی قدر نہیں کرتے اور حق کی جگہ باطل ہی کے پرستار بن کے زندگی گزارتے ہیں۔ اس میں دوسرے 'لا' کے اعادے کو بعض اہل ادب نے زائد مانا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ زائد نہیں بلکہ تاکید کے لیے ہے۔ اس کی مثالیں پیچھے بھی گزر چکی ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ط إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنتَ  
بِسْمِيعٍ مُّنتَفِيٍّ (القصص : ۲۲)

یہ وہی مضمون دوسرے الفاظ اور دوسرے اسلوب میں بیان ہوا ہے۔ اس دور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی بیزاری سے بڑی پریشانی تھی۔ آپ کو اندیشہ تھا کہ باوجود اس میں آپ ہی کی کسی کوتاہی کو دخل ہو۔ آپ کی یہ پریشانی دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف اسلوبوں سے تسلی دی کہ تمہارا کام زندوں کو سنانا ہے، مردوں کو جگانا تمہاری فہم داری نہیں ہے، جن کی صلاحیتیں زندہ ہیں



وہ تمہاری بات سن رہے ہیں اور مان رہے ہیں۔ رہے وہ جو عقلی و روحانی اعتبار سے بالکل مردہ ہو چکے ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ یہ بھی تمہاری بات سننے والے بن جائیں تو یہ ہونے سے رہا۔

”إِنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ مَنْ قِيَّاسًا“ اسماع یہاں بات کو سننے اور ماننے کی توفیق دینے کے مفہوم میں ہے۔ یعنی یہ اللہ ہی ہے جو سچی بات سننے اور اس کو ماننے کی، جس کو چاہتا ہے، توفیق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر چاہنا اس کی حکمت کے تحت ہے۔ اس معاملے میں اس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اس کی بخشی ہوئی فطری صلاحیتوں کو زندہ رکھتے ہیں ان کو تو وہ مزید سننے سمجھنے اور ماننے کی توفیق بخشتا ہے اور جو لوگ اپنی فطری ہدایت کی تندر نہیں کرتے وہ اخلاقی اعتبار سے مردوں کے حکم میں ہیں ان کو زندہ کرنا خدا کے سوا کسی کے امکان میں نہیں۔

”إِنْ آمَنَّا إِلَّا مُنْذِرُكُمْ بِالْعَقِيبِ فَتَشِيرُ أُنْذِيرُكُمْ إِنَّكُمْ قَدْ آمَنَّا إِلَّا خَلْفَ قِيَّتِهَا مُنْذِرُكُمْ“ (۲۳-۲۴)

یہ تبلیغ و دعوت کے معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کی حدود واضح فرمادی کہ تم میں لوگوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کر دینے والے ہو۔ یہ ذمہ داری تمہارے اوپر نہیں ہے کہ لوگ تمہاری بات مان بھی لیں۔ تم کو خدا نے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ جن باتوں کی تم خبر دے رہے ہو ان میں سے ہر بات شدنی ہے۔ پس تمہارا کام یہ ہے کہ جو لوگ تمہاری باتوں پر کان دھریں ان کو ان کے مبارک انجام کی خوش خبری سنا دو۔ اور جو لوگ تمہاری باتوں سے منہ موڑیں ان کو ان کے انجام بد سے آگاہ کر دو۔ اس سے زیادہ تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس وجہ سے تمہیں ان کے لیے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ”وَإِنْ قَدْ آمَنَّا إِلَّا خَلْفَ قِيَّتِهَا مُنْذِرُكُمْ“ یعنی تم دنیا میں پہلے نذیر نہیں ہو بلکہ ماضی میں جو قومیں گزری ہیں ان میں بھی اللہ نے اپنے نذیر بھیجے تو ان کی سرگزشت میں تمہارے لیے بھی سبق ہے اور تمہاری قوم کے لیے بھی درس عبرت ہے۔ تمہارے ساتھ اللہ وہی معاملہ کرے گا جو اس نے اپنے رسولوں کے ساتھ کیا اور تمہاری قوم کے ساتھ بھی لازماً وہی معاملہ کرے گا جو پہلی قوموں کے ساتھ اس نے کیا۔

”وَإِنْ قَدْ آمَنَّا إِلَّا خَلْفَ قِيَّتِهَا مُنْذِرُكُمْ“ جَاءَهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَ

بِالنُّزُوحِ بِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۚ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (۲۵-۲۶)

یہ اسی اجمال کی وضاحت ہے، فرمایا کہ اگر یہ لوگ تمہاری تکذیب کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ان سے پہلے جو قومیں گزری ہیں اسی طرح انہوں نے بھی اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ یہ روایت پہلے سے چلی آرہی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ پہلی بار تمہاری ہی قوم نے تمہارے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ صورت حال پہلی بار پیش آئی ہو تو تب تو تمہارے لیے یہ وجہ تشویش ہو سکتی تھی کہ



مبادا اس میں تمہاری کسی کوتاہی کو دخل ہو لیکن جب ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یہی سلوک کیا ہے تو معلوم ہوا کہ رسولوں کے ساتھ ان کی قوموں کی روش ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔

”جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ - الْآيَةِ“ یعنی یہ بات بھی نہیں تھی کہ اُن کے رسول خالی ہاتھ آئے ہوں۔ بلکہ وہ نہایت واضح دلائل و معجزات، صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے لیکن ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ان کو قائل کرنے والی نہ بن سکی۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے مخالفوں سے بھی تم یہ توقع نہ رکھو کہ اگر ان کی طلب کے مطابق ان کو کوئی نشانی دکھا دی جائے تو یہ ایمان لانے والے بن جائیں گے۔ اس قسم کے لوگوں کے لیے ساری نشانیاں، سارے صحیفے اور تمام کتابیں بے سود ہیں۔

”بَيِّنَاتٍ“ اور ”ذُبُرُتِوَعَامٍ“ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو ان سے مسلح کر کے بھیجا۔ ”کتاب منیر“ سے اشارہ تو رات کی طرف ہے۔ قرآن مجید سے پہلے کتاب منیر کی حیثیت اسی کو حاصل رہی۔

”كُتِبَ لَهُمُ الْقُرْآنُ كَفُتُورًا“ قوموں نے جو روش انتہا کی وہ اوپر مذکور ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا یہ اس کا بیان ہے۔ فرمایا کہ جب انھوں نے رسول کی تکذیب کر دی تو ہم نے ان کو پکڑا اور جب پکڑا تو دیکھو کس طرح پکڑا اور کیسی عبرت انگیز سزا ان کو دی! مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری قوم کا معاملہ بھی اپنی اسی روش پر چلی رہی تو اس کے ساتھ بھی ہم یہی معاملہ کریں گے۔ ہمارا قانون سب کے لیے ایک ہی ہے۔

”الْوَعْدَ أَنَّ اللَّهَ اشْرَكَ مِنْ السَّلَامِ مَا عَمَّ فَاَجْرُجْنَا بِهِ تَسْرِيَتْ مُخْتَلِفًا لَوَا حَطَا دَرَمِ الْجِبَالِ جَدًّا ذُرْبُفٌ وَحَمَرٌ مُخْتَلِفٌ لَوَا حَطَا دَعْرَابِيْبٌ سُوْدٌ“ (۲۷)

وہی حقیقت جو آیات ۲۰-۲۲ میں سمجھائی گئی ہے اس کائنات کی دوسری مثالوں کی روشنی میں سمجھائی جا رہی ہے۔ گرا آیات ۲۲-۲۶ میں بطور التفات آگئی تھیں۔ ان کے ختم ہونے کے بعد کلام پھر اپنے اصل سلسلہ سے مربوط ہو گیا۔ فرمایا کہ دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے بارش نازل کرتا ہے تو اس سے ایک ہی قسم کی چیز نہیں آگتی بلکہ طرح طرح کی مختلف النوع اور مختلف الالوان چیزیں آگ پڑتی ہیں۔ اسی سے خوش نما، خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھلوں والی چیزیں بھی آگتی ہیں اور اسی سے ناقص زمینوں میں جھاڑ جنکاڑ بھی اُگتے ہیں۔ یہی حال اس قرآنی بارش کا بھی ہے۔ اس سے بھی صالح طبعیتوں کی صلاحیتیں بھی ابھر سکیں گی اور جن کے اندر کھوٹ اور فساد ہے وہ بھی ابھر کر سامنے آئے گا۔ اس لیے کہ شیطان اس کو ٹھنڈے پیٹھوں نہیں برداشت کرے گا بلکہ وہ بھی اپنی ذریات کو اس کے مقابلے کے لیے ابھارے گا۔ لفظ ”الوان“ عربی میں صرف رنگوں ہی کے مفہوم میں نہیں آتا بلکہ انواع و اقسام کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ آگے بھی اسی آیت میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

سورہ اعراف میں بارش کے اثرات کے اس پہلو کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔



وَالْبَسَدُ النُّطِيبُ يَخْرُجُ  
تَبَّ شَهْ بِأَذْنِ رَبِّهِ ۚ ذَاكَ الَّذِي  
خُبْتُ لَا يَخْرُجُ إِلَّا مُكْدًا ۱۔  
اور جو زمین زرخیز ہوتی ہے تو اس کے  
رب کے حکم سے اس کی نباتات بھی اچھی لگتی ہیں  
اور جو ناقص ہوتی ہے تو اس کی نباتات بھی ناقص  
ہی لگتی ہیں۔ (الاعراف : ۵۸)

اس آیت کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں، اس مقام کی وضاحت کے لیے ایک نظر اس پر بھی ان لیجیے۔  
'فَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيْضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُمَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ' جُدَدُ بَيْضٌ  
جُدَدُ کی یہ لفظ اصلاً تو بہر زوں اور چمچروں کی پٹیوں پر مختلف رنگوں کی جو دھاریاں ہوتی ہیں ان کے لیے  
آتا ہے لیکن یہاں یہ ان مختلف الالوان سلوں اور چمچروں کے لیے آیا ہے جن کی دھاریاں یا قطاریں  
پھاڑوں کے اندر پائی باقی ہیں۔

المطوب سے  
معلق ایک  
سوال کا جواب  
'غَرَابِيبُ' جمع ہے غَرَابِيبُ کی۔ اس کے معنی ہیں کالا بھنگ۔ یہ لفظ عام طور پر اسود کی تاکید  
کے لیے آتا ہے۔ مثلاً کہیں گے 'اسود غرابیب'۔ فلاں چیز کا لی بھنگ ہے۔ اس وجہ سے یہ  
سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں یہ 'سود' سے پہلے کیوں آیا، تاکیدیہ کا مقدم آنا تو بلاغت کے خلاف  
ہے؛ اس سوال کے جواب مختلف اہل ادب نے مختلف دیے ہیں۔ بعض نے اس کو بدل کے مفہوم  
میں لیا ہے جو وضاحت کے طور پر آیا ہے۔ اگر یہ توجیہ مان لی جائے تو یہ اس پہلو سے صحیح ہے کہ جو بدل  
وضاحت کے طور پر آتا ہے وہ درحقیقت تاکید ہی کے لیے آتا ہے۔ اس صورت میں تکلم گویا اپنی بات  
سادہ الفاظ میں پھر مخاطب کے سامنے دہرا دیتا ہے کہ اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہو جائے۔ یہاں سیاہ  
قسم کے پتھروں کی طرف اس وضاحت کے ساتھ توجہ دلانے کی وجہ یہ ہے کہ مقصود یہ سمجھا نا ہے کہ جس  
طرح پھاڑوں میں سیاہ پتھر ہوتے ہیں اسی طرح لوگوں کے اندر سیاہ قلب افراد ہوتے ہیں اور جس طرح  
سفید و سرخ اور سیاہ پتھروں کا الگ الگ مصرف ہے۔ اسی طرح سیاہ قلب افراد کا بھی ایک محل  
اور مصرف ہے جس کے لیے قدرت نے ان کو اس دنیا میں مہلت دی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۚ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ  
عِبَادِهِ الْمُتَّقِينَ ۚ (۲۸)

فرمایا کہ جمادات کی طرح انسانوں، جانداروں اور چوپایوں میں بھی قدرت کی یہی گونا گونی و تلوونی  
نمایاں ہے۔ لفظ 'الوان' یہاں بھی صرف رنگوں کے مفہوم میں نہیں بلکہ انواع و اقسام کے وسیع مفہوم میں  
ہے۔ یعنی صورت، سیرت، صفات، مزاج، خصوصیات اور عادات و اطوار کے اعتبار سے ان میں بڑا  
فرق و اختلاف پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہر جانور سے دو دھک کی توقع نہیں کی جاسکتی  
اسی طرح ہر آدمی سے خدا کی خشیت کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیے۔ اللہ کے بندوں میں سے اس



سے ڈرنے والے وہی نہیں گے جن کے اندر علم و معرفت کی روشنی ہوگی۔

لفظ عَلَمَاءُ یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں بلکہ اپنے حقیقی مفہوم میں ہے۔ اور آیت ۸ میں جس طرح فرمایا ہے اِنَّمَا تُذَكِّرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ (تم تو بس انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈرنے والے نہیں) اسی طرح یہاں فرمایا ہے اِنَّكَ تَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو محض ظاہر پرست ہوتے ہیں، محسوسات سے آگے نہ ان کو کچھ نظر آتا اور نہ اس سے آگے وہ کچھ دیکھنے کی کوشش ہی کرتے، دوسرے وہ ہوتے ہیں جن کے اندر ظاہر سے باطن اور مجاز سے حقیقت تک پہنچنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اور جو اپنے بطن و فرج کی مطلوبات سے زیادہ اہمیت اپنی عقل اور روح کے مطلوبات کو دیتے ہیں۔ درحقیقت یہی لوگ ہیں جو انسانیت کے گل سرسود اور علماء کے لقب کے اصلی مستحق ہیں اور یہی لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے بنتے ہیں اور اللہ کے رسولوں کی دعوت ان کو اپیل کرتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ جس طرح اور پر والی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے فرمائی گئی ہے اسی طرح عَزِيزٌ اور غَفُورٌ کی صفات کا حوالہ بھی آپ کی تسلی ہی کے لیے دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج جو لوگ تمھاری دعوت کو رد کر رہے ہیں خدا جب چاہے ان کو پکڑ سکتا ہے لیکن وہ عَزِيزٌ ہونے کے ساتھ ساتھ غَفُورٌ بھی ہے اس وجہ سے جب تک اس کی حکمت متعقباتی ہوتی ہے وہ اس طرح کے لوگوں کو مہلت دیتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحیح علم کا منبع درحقیقت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ جس کو خدا کی معرفت حاصل نہیں ہوئی وہ علم سے بالکل محروم ہے اگرچہ وہ دنیا جہان کی کتابیں حفظ کر ڈالے۔ اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ جس کو خدا کی معرفت حاصل ہے اس کے اندر لازماً خدا کی خشیت بھی ہوگی۔ اگر کوئی شخص خدا کی خشیت سے محروم ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی معرفت سے بھی محروم ہے۔ یہی معرفت اور خشیت انسان کے تمام علوم و افکار میں حقیقی زندگی پیدا کرتی ہے جس سے علوم و فنون دنیا کے لیے موجب خیر و برکت بنتے ہیں۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو انسان کی ساری ذہانت شیطان کی مقصد برآری میں صرف ہوتی ہے اور وہ بالآخر تباہی کا موجب بنتی ہے۔

یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ مذکورہ بالا آیات سے تو یہ بات نکلتی ہے کہ جس طرح اس کا رخانہ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے مختلف الانواع چیزیں پیدا کی ہیں اور ان سب کے پیدا کرنے میں اس کی حکمت و مصلحت ہے اسی طرح ان لوگوں کے وجود میں بھی حکمت و مصلحت ہے جو حق کے مخالف خدا کی خشیت سے غالی اور باطل کے علم بردار ہیں۔ جب صورت واقعہ یہ ہے تو آخر یہ لوگ سزا و عذاب اور مستحق عتاب و عذاب کس بنا پر ہیں؟ اگرچہ ہم اوپر کی سطروں میں اس شبہ کو صاف کرتے آئے ہیں



لیکن یہاں پھر اس کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے فطرت اللہ پر پیدا کیا ہے اس وجہ سے اس کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کے احیاء کا ساتھ دے لیکن چونکہ وہ حیوانات جمادات کی طرح مجبور نہیں بلکہ ذی اختیار ہے اس وجہ سے ان میں بہتیرے اپنی فطرت اور اپنے رب کے احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں۔ اپنے اختیار کے اس سوء استعمال پر وہ مستحقِ سزا ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دیتا ہے تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی محبت پوری ہو جائے اور ان کی مخالفت حق اہل حق کے استہان کا ذریعہ بن سکے۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ایک پہلو سے ان کا وجود مطابق حکمت و مصلحت ہے اور قدرت اس حکمت و مصلحت ہی کی خاطر ان کو اس دنیا میں ایک خاص وقت تک کے لیے مہلت دیتی ہے لیکن دوسرے پہلو سے یہ مستحقِ سزا ہیں کہ انھوں نے اپنے سمع و بصر کی صلاحیتوں کی قدر نہیں کی اور نفس کی خواہشوں کی پیروی میں اپنے اختیار کو غلط استعمال کیا۔

## ۶۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۹-۳۸

اد پر کے پیرے میں جو بات اصولی حیثیت سے بیان فرمائی ہے آگے کی آیات میں اسی کو واقعات و حالات پر منطبق کیا ہے یعنی یہ واضح فرمایا ہے کہ پھلپل امتوں کے دارنین میں سے کون لوگ ہیں جو علماء کے نقب کے مستحق ہیں اور وہ اس قرآن پر ایمان لانے والے نہیں گے اور اب جس قوم کو اللہ نے اپنی کتاب کی وراثت کے لیے منتخب کیا ہے اس کے اختیار یا امتزاج اس کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں گے۔ پھر ان دونوں کے نتائج اعمال کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تَبَارَكَ لَكَ يَوْمَ ۙئِذٍ ۖ لِيُوفِيَهُمْ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَعِبَادَهُ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ۝ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۖ يُؤْتُونَ اللَّهَ ذِكْرًا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝

آیات

۲۸-۲۹



جَنَّتْ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَ  
 لُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ  
 عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِي أَهْلَكَ آدَارَ الْمَقَامَةِ  
 مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا الْغُوبُ ﴿٣٥﴾  
 وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمَوْتُوهَا وَلَا  
 يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَافِرٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ  
 يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا  
 نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ  
 فَذُقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴿٣٧﴾ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾

بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے، نماز کا اہتمام کرتے اور جو کچھ ہم نے

ترجمہ آیات  
۳۸-۳۹

ان کو رزق دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایک ایسی تجارت  
 کے امیدوار ہیں جس کے لیے کبھی کساد بازاری نہیں۔ تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا اجر بھی  
 دے اور ان کے لیے اپنے فضل میں سے زیادہ بھی کرے۔ بے شک وہ بخشنے والا  
 اور قبول فرمانے والا ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف جو کتاب وحی کی ہے، یہی حق ہے،  
 ان پیشین گوئیوں کی مصداق جو اس کے پہلے سے موجود ہیں۔ بے شک اللہ

اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا دیکھنے والا ہے۔ ۳۱-۳۹

پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جن کو اپنے بندوں میں سے منتخب کیا۔

پس ان میں سے کچھ تو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں، کچھ ان میں سے میانہ رو ہیں اور کچھ ان میں سے اللہ کی توفیق سے بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں یہی سب سے بڑا فضل ہے۔ ان کے لیے ہمیشگی کے باغ ہوں گے جن میں وہ داخل ہوں گے، ان میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم ہو گا۔ اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم کو دور کیا۔ بے شک ہمارا رب بخشنے والا، قبول فرمانے والا ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس اقامت کے گھر میں اتارا، اس میں نہ ہمیں کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ کبھی تکالہ لاحق ہوگی۔ ۳۵-۳۶ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ان سے ان کا عذاب ہی کچھ ہلکا کیا جائے گا۔ ایسا ہی ہم بدلہ دیں گے ہر ناشکرے کو اور وہ اس میں واویلا کریں گے۔ اے ہمارے رب! ہم کو اس سے نکال، اب ہم نیک عمل کریں گے، ان اعمال سے مختلف جو ہم اب تک کرتے رہے ہیں۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی کہ جو یاد دہانی حاصل کرنا چاہے اس میں یاد دہانی حاصل کر سکے! اور تمہارے پاس آگاہ کرنے والا بھی پہنچا! تو اب اس عذاب کو چھو۔ ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والا نہیں بنے گا۔ اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جاننے والا ہے۔ بے شک وہ سینوں کے بھیدوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے۔ ۳۸-۳۹

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

إِنَّ الَّذِينَ يَسْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ يَبُودَ (۲۹)



اد پر آیت ۲۸ میں جن لوگوں کو علماء کہا ہے اور جن کی تعریف میں فرمایا ہے کہ اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں) یہ انہی علماء کی تفصیل ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے، نماز کا اہتمام کرتے اور خدا کے بخشے ہوئے رزق و فضل میں سے فیاضی کے ساتھ ستر اور علانیہ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں، یہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور ان کا یہ انفاق ایک ایسی تجارت ہے جس کے لیے مستقبل میں کسی کساد بازاری کا اندیشہ نہیں بلکہ اس کی برکات میں برابر اضافہ پر اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہ اشارہ اگرچہ ان تمام صاحبین کی طرف ہو سکتا ہے جو ان صفات سے متصف تھے لیکن میرا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ ان علماء اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے جو قرآن پر ایمان لائے اور قرآن نے جگہ جگہ جن کی تعریف فرمائی ہے۔ میرے نزدیک اس کا ترمیم یہ ہے کہ ان کے ذکر کے بعد نبی اسماعیل کے اختیار اور اثر کا ذکر آیت ۳۲ میں مستقلاً آ رہا ہے اور ان کا ذکر ثَمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو جن کو اس کے لیے منتخب کیا) کے الفاظ سے ہوا ہے۔ یہاں لفظ ثَمَّ (پھر) اس بات کی دلیل ہے کہ اوپر جن لوگوں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن سے پہلے کی کتاب کے وارث بنائے گئے تھے اور وہ اللہ کی توفیق سے اس پر قائم رہے جس کی برکت سے ان کو قرآن کے نازل ہونے کے بعد اس پر بھی ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

یہاں ان صاحبین اہل کتاب کی تعریف میں تین باتوں کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ تلاوت کتاب اللہ، اقامت صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی تین چیزیں دین کی حقیقی محافظ اور خشیت الہی کی اصلی علامت ہیں اور قرآن میں نہایت تصریح کے ساتھ یہ بات بیان ہوئی ہے کہ یہود نے اپنی کتاب فراموش کر دی تھی، غار ضائع کر بیٹھے تھے اور ان پر بنجالت و زبردستی کی بیماری مسلط ہو گئی تھی اس وجہ سے وہ قرآن پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم رہے۔ ان کے اندر سے صرف وہ لوگ قرآن پر ایمان لائے جو ان بیماریوں سے محفوظ رہے۔

یَرْجُونَ تَجَارَةً تَنْبُوْا فِيْهَا مِنْ ثَمَرِهِمْ وَمِنْ عَمَلِهِمْ (میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جنہوں نے اس دنیا کی زندگی کو مقصود بنا کر حرام و مہلک کی کئی سے اپنی تجوریاں بھریں اور ہر ایک نے راک فیلر بننے کی کوشش کی ان کا حشر تو ایک دن یہ ہونا ہے کہ ان کی ساری دولت خاک اور رکھ ہو کر اڑ جائے گی۔ البتہ جو لوگ اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے وہ اپنا سرمایہ ایک ایسے کاروبار میں لگا رہے ہیں جس میں کبھی کسی خسارے کا اندیشہ نہیں ہے۔

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ طرأۃ غفور شکور (۳۰)



یہ ان کے اتفاق کے محرک کی طرف اشارہ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بھرپور صلہ کا وعدہ بھی کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں نہ ریاء و نمائش کے لیے خرچ کرتے ہیں نہ اس کا کوئی مبادفہ چاہتے اور نہ اس کا کوئی احسان جانتے ہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں کہ وہ ان کو اسی کا پورا پورا صلہ دے اور اپنے فضل سے اس پر مزید اضافہ فرمائے۔ چنانچہ ان کا رب ان کے ساتھ ان کی توقعات کے مطابق معاملہ کرے گا اس لیے کہ وہ کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف اور بندوں کے اعمال کی قدر فرمائے والا ہے۔ یہاں **عَفُوٌّ شَكُورٌ** کی صفات کا حوالہ بندوں کی امید افزائی کے لیے ہے کہ ان کی نیکیاں قبول کرنے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ بڑی چشم پوشی سے کام لے گا اور ان کے چھوٹے چھوٹے عمل کو بھی قبول و عزت کے ساتھ قبول فرمائے گا۔

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ لَبِاعِدٌ  
لِّخَبِيرٍ بِعِبَادِهِ (۳۱)

یہ صالحین اہل کتاب کو دعوتِ ایمان ہے کہ جو کتاب ہم نے تم پر وحی کی ہے یہی حق ہے اس لیے تمام طالبینِ حق کو پابھیے کہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں اور حرزِ جاں بنائیں۔ **هُوَ الْحَقُّ** میں حصر کا جزمِ مطلق ہے وہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اس سے پہلے اللہ نے اہل کتاب کو جو کتاب دی اس کو انھوں نے اپنی تحریفیات سے رطب و یابس کا مجموعہ بنا ڈالا اس وجہ سے وہ حق کی نعمت سے محروم ہو گئے تھے۔ اب اللہ نے اس کتاب کی صورت میں اس کو بالکل بے آمیز اور کامل شکل میں از سر نو اجاگر کیا ہے تاکہ یہ خلق کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔

**مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** کہ یہ اس کتاب کی حقیقت کی وہ دلیل ہے جو خاص طور پر اہل کتاب پر اتمامِ حجت کے لیے قرآن میں جگہ جگہ مذکور ہوئی ہے کہ یہ کتاب ان پیشین گوئیوں کا مصداق ہے جو سابقہ صحیفوں میں اس کے باب میں پہلے سے وارد ہیں۔ ان پیشین گوئیوں کا حوالہ ان کے محل میں ہم تفصیل سے دے چکے ہیں۔

**إِنَّ اللَّهَ لَبِاعِدٌ لِّخَبِيرٍ بِعِبَادِهِ** فرمایا کہ اللہ نے اس حق کی حفاظت کا یہ اہتمام اس لیے فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے حال کی خبر رکھنے والا اور ان کے بناؤ اور بگاڑ کو برابر دیکھتے رہنے والا ہے۔ چنانچہ جب اس نے دیکھا کہ جس ہدایت سے اس نے ان کو نوازا تھا پاسبانوں کی خیانت سے وہ اس سے محروم ہو گئے تو اس کی حفاظت کا اس نے از سر نو انتظام فرمایا۔ اگر وہ یہ انتظام نہ فرماتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ اپنی خلق کے خیر و شر سے بالکل بے تعلق ہے۔ حالانکہ وہ بے تعلق نہیں بلکہ ایک ایک چیز سے باخبر اور ہر جزئیہ پر نظر رکھنے والا ہے۔

لَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنَّ مَصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ



وَمِنْهُمْ سَائِقٌ بِالْخِطَابِ يَادُّنِ اللَّهَ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (۳۲)

یہ اس انتظام کا ذکر ہے جو اپنی ہدایت سے خلق کو بہرہ یاب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔  
 الَّذِینَ امْلَقْنَاهُمْ مِنْ عِبَادِنَا سَیِّئَاتٍ سَیِّئَاتٍ سَیِّئَاتٍ سَیِّئَاتٍ سَیِّئَاتٍ سَیِّئَاتٍ سَیِّئَاتٍ سَیِّئَاتٍ سَیِّئَاتٍ سَیِّئَاتٍ  
 مراد ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا وہ آخری رسول بھیجنے کا وعدہ فرمایا  
 تھا جس کے ذریعے سے خلق کو آخری اور کامل شریعت ملنے والی تھی۔ فرمایا کہ ہم نے اپنے بندوں میں سے  
 ایک دوسرے گروہ کو چنا اور اس کو اپنی کتاب کا وارث بنایا۔ وارث بنایا کے الفاظ اس حقیقت  
 کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس سے پہلے جو لوگ کتاب الہی کے وارث بنائے گئے تھے (یعنی بنی اسرائیل)  
 ان سے یہ امانت چھینی اور ایک دوسرے گروہ کو جس کو اس شرف کے لیے منتخب کیا، یعنی بنی اسماعیل  
 کو یہ امانت بخشی۔

ایسوں کے اسی شرف کی طرف اشارہ سورہ حمد کی آیت هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا  
 مِنْهُمْ الْأُمِّيَّة میں ہے اور قرآن نے جگہ جگہ ان کے اس شرف کا حوالہ دے کر ان کو ایمان  
 کی دعوت دی ہے کہ وہ اس کی قدر کریں۔ اگر انھوں نے اس کی قدر نہ کی تو دنیا کی امامت کی جس عزت  
 کے لیے اللہ نے ان کا انتخاب فرمایا ہے وہ اس سے اپنے کو محروم کر لیں گے۔ ایسوں کی اس عزت افزائی  
 کا ذکر سورہ نسا میں یوں آیا ہے۔

أَمْرٌ يُعْصِدُونَ الْمَثَسَّ عَلَى  
 مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ  
 فَقَدْ امْتَنَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ  
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ  
 مُلْكًا عَظِيمًا ۖ فَتُحْمَرُّ عَنْهُمْ  
 بِهٖ وَهُمْ مِّنْ صَدَقَتِهِ  
 وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا

کیا (بنی اسرائیل) اس فضل کی بنا پر لوگوں پر ربی اٹھیں  
 پر حسد کر رہے ہیں جو ہم نے ان پر (بنی اسماعیل پر)  
 کیا، اگر وہ حسد کر رہے ہیں تو جتنا حسد کرنا چاہیں کر لیں  
 ہم نے تو آل ابراہیم (بنی اسماعیل) کو کتاب اور حکمت  
 میں مطلق فرمائے اور ان کو ایک عظیم بادشاہی بھی بخشی تو  
 ان میں سے (بنی اسماعیل میں سے) کچھ تو اس کتاب پر ایمان  
 لائے اور ان میں سے کچھ اس سے اعراض کرنے والے بنے  
 ہوئے ہیں اور دوزخ کی آگ ان کے لیے کافی ہے۔

(النساء: ۵۴-۵۵)

اس آیت کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں آیت زیر بحث کو سمجھنے کے لیے اس پر ایک نظر ڈال  
 لیجیے۔ جس طرح اس آیت میں بنی اسماعیل من حیث الجماعت مراد ہیں اور ان کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم  
 دیا جانے کا ذکر ہے اسی طرح آیت زیر بحث میں ان کی جس برگزیدگی کی طرف اشارہ ہے وہ من حیث  
 الجماعت ان کو حاصل ہوئی۔ یہود کو ان کی اس برگزیدگی پر بڑا حسد تھا اور ان کی طرف سے آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا ایک بڑا محرک یہی تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ کی نبوت اگر قائم ہو گئی تو اس



طرح وہ مذہبی پیشوائی جو اب تک ان کو حاصل رہی ہے ان کے حریفوں یعنی بنی اسرائیل کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ قرآن نے جگہ جگہ بنی اسرائیل کے اس کھوٹ سے عربوں کو آگاہ کیا ہے اور ان کو دعوت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جس شرف سے نوازا اور جس منصب عظیم کے لیے ان کا انتخاب فرمایا ہے اس کی قدر کریں، اس کی مخالفت کر کے اپنے دشمنوں کی مقصد برآری کا سامان نہ کریں۔ اسی طرح یہاں اس برگزیدگی کا حوالہ اس مقصد سے دیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و انعام کی قدر کریں، اس سے محروم نہ رہیں۔

قرآن کے باب میں بنی اسرائیل کا وہ رویہ بیان ہوا ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے جواب میں اختیار کیا۔ فرمایا کہ ان میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں یعنی اپنا اثر مٹی چوٹی کا زور اس کی مخالفت میں صرف کر رہے ہیں۔ نہ خود اس کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں نہ کسی دوسرے ہی کو قبول کرنے دینا چاہتے ہیں۔ سورہ نسا کی مذکورہ بالا آیت میں اسی گروہ کا ذکر دُشْمُنُہُمْ مِّنْ صَدِّ غُشٍّ کے الفاظ سے ہوا ہے یعنی خود بھی اس سے اعراض کیے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ امر واضح رہے کہ لفظ صَدِّ رُکْنُہُ اور رُکْنُہُ دونوں معنوں میں آتا ہے۔ اسی گروہ کو یہاں ظَالِمُوْا نَفْسِہِہُ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی یہ اپنی اس مخالفت سے اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں کہ اپنے لیے خدا کے سب سے بڑے فضل سے محرومی اور جہنم کے عذاب کا سامان کر رہے ہیں ورنہ جہاں تک خدا کے دین کا تعلق ہے اس کو ان کی مخالفت سے کوئی گزند پہنچنے والا نہیں ہے۔ لفظ ظلم سے قرآن مجید میں بالعموم شرک کو تعبیر کیا گیا ہے۔ سورہ صافات میں ہے :  
وَمِنْ ذُرِّيَّتِہِا مُعِیْزٌ ظَالِمٌ نَفْسِہِہُ مُبِیْنٌ (۳۱) اور ان دونوں راہروں (اسحاق) کی ذریت میں نیکو کار بھی ہیں اور اپنی جانوں پر کھدا ہوا ظلم ڈھانے والے بھی (مفسرین نے عام طور پر اَنْبِیَآءٍ اَصْطَفٰیْنَا مِنْ عِبَادِنَا سے امت مسلمہ کو مراد لیا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ بھی، معلوم نہیں کس طرح نکال لیا ہے کہ یہ ظالمین بھی بخش دیے جائیں گے۔ ہم نے آیت کا صحیح موقع و محل معین کر دیا ہے اس وجہ سے اس خیال کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ہماری تائید میں حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ کے روایات بھی ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو تفسیر ابن کثیر یا تفسیر ابن جریر میں دیکھ لیجیے۔ ان بزرگ مفسرین نے ظَالِمٌ نَفْسِہِہُ سے ان لوگوں کو مراد لیا ہے جن کا ذکر سورہ واقعتہ میں اَصْحَابُ الشُّجْعَا سے ہوا ہے۔

دُشْمُنُہُمْ مَّقْصِدٌ یہ دوسرے گروہ کا ذکر ہے۔ 'مقصد' میانہ روکو کہتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ مخالفت تو نہیں کرتے ہیں لیکن آگے بڑھ کر اس دعوت حق کی حمایت کا حوصلہ بھی نہیں کر رہے ہیں۔ ان کا مخالفت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اس دعوت کے حق ہونے کا احساس ہے لیکن



یہ احساس اتنا قوی نہیں ہے کہ وہ تمام پیش و عقب سے بالکل بے پروا ہو کر اس کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ قرآن نے ان کے لیے یہ لفظ استعمال کر کے فی الجملہ ان کے متعلق یہ امید دلائی ہے کہ یہ لوگ پہلے گروہ (خَدَائِعُ تَنْزِيْہ) کی طرح اس نعمت سے محروم رہنے والے نہیں ہیں بلکہ دیرپور ان کا تردد رفع ہو جائے گا اور اللہ نے چاہا تو یہ اس دعوت کے پُر زور مایموں میں بن جائیں گے۔ وَمِنْهُمْ سَابِقُ بِالْاٰثِرَاتِ یہ تیسرے گروہ کا ذکر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اندر حق کا شعور اتنا تیز گروہ قوی ہوتا ہے کہ ہر دعوت حق ان کو فوراً اپیل کرتی ہے اور ان کی قوت ارادی اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ جب ان کو کوئی چیز اپیل کر لیتی ہے تو وہ اس کی خاطر راہ کے تمام عقبات ایک ہی جست میں پار کر جاتے ہیں اور اس کی حمایت یا مداخلت میں کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے بلکہ تمام رکاوٹوں کا پوری دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے نیکی اور بھلائی کے ہر میدان میں گوئے سبقت لے جانے کے لیے سر دھڑکی بازی لگا دیتے ہیں۔ یہ اشارہ اسلام کے سابقین ادون کی طرف ہے جن کے مہر خیل سیدنا ابوبکر صدیقؓ تھے۔

اس گروہ کی سبقت بالآخر کے ساتھ بِاِذْنِ اللّٰهِ کی قید اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس رتبہٴ بلند کی سر فرازی ہر ایک کا حصہ نہیں ہے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے یہ رتبہ بخشا ہے۔ یہ اس نسبت الہی کا حوالہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں تقدم اور تاخر کے لیے مقرر کر رکھی ہے اور جس کی طرف اس کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَقْلُ الْكَبِيْرُ۔ یہ اس مرتبہٴ بلند کا بیان ہے جو ان سابقین باخیرات کو حاصل ہوگا۔ اور اس میں نہایت بلیغ انداز میں مقصدین کے لیے دعوت بھی ہے کہ ابھی موقع ہے کہ وہ بھی اس فضل کبیر میں حصہ دار بننے کے لیے قسمت آزمائی کر سکتے ہیں تو وہ تذبذب کو چھوڑیں اور بہت کر کے آگے بڑھیں۔ یہاں ہم ان اشارات پر کفایت کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ سورہ واقعہ کی تفسیر میں اس کے تمام اطراف زیر بحث آئیں گے۔

جَنَّتْ عَدْنٌ يَّدُ خُلُوْفَهَا يَحْكُوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَّهَبٍ وَمُتَوَلّٰوۃٌ وَّيَسَّاسُهُمْ

فِيْهَا حَسِيْدٌ رَّسُوْلٌ (۳۳)

یہ آخرت میں ان جانباظروں کا صلہ بیان ہوا ہے کہ ان کے لیے اقامت کے باغ ہوں گے جن میں وہ آخرت کا مد داخل ہوں گے۔ یعنی ان باغوں میں ان کا داخل ہونا محض وقتی سیر و تفریح کے لیے نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ يَحْكُوْنَ، مہول کا صیغہ تشریف و مکرم پر دلیل ہے۔ سونے کے کنگن، موتی اور ریشم وغیرہ کا ذکر تقریب فہم کے لیے ہے کہ جنت کی نعمتوں کا مخاطب کچھ تصور کر سکے۔ ان چیزوں کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ان کا صحیح اندازہ اسی وقت ہوگا جب یہ آخرت میں ملنے آئیں گی۔



پہلے زمانہ میں سلاطین سونے کے کنگن اور موتی پہنتے تھے، اس وجہ سے جنت کے لباس کا تصور دینے کے لیے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

وَمَا نُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا فُجُورٌ ۝ (۳۴-۳۵)

یعنی اہل جنت جب اللہ تعالیٰ کے تمام وعدوں کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو احساسات اور بے ساختہ ان کی زبانوں پر کلمہ شکر جاری ہو جائے گا کہ الحمد للہ ہم اپنے رب کے جن وعدوں کے لیے جیسے اور مرے وہ سب ہماری امیدوں سے کہیں بڑھ کر پورے ہوئے۔ اس نے ہمارے سارے غم دور کر دیے۔ اب نہ ماضی کا کوئی کچھتاوا باقی رہا نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ ہمارا رب غفور و شکور ہے۔ اس نے ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمایا اور ہماری ایک ایک نیکی کو شرف قبول بخشا۔ اہل جنت کے اسی کلمہ شکر کا ذکر دوسرے مقام میں یوں ہوا ہے: وَأَخْرَجُوا مِنْهُمْ ابْنَ الْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (یونس: ۱۰۰) اور ان کا آخری کلمہ یہ ہو گا کہ شکر ہے اللہ رب العالمین کے لیے۔

دَارَ الْمُقَامَةِ سے مراد ہمیشہ کی آفات کا گھر ہے یعنی اس سے پہلے تو ہم دنیا میں ایک سرانے فانی میں تھے اور ہم نے اس کو ایک سرانے فانی ہی سمجھا۔ اب ہمارے رب نے ہم کو اپنے فضل و رحمت کے ایک ایسے گھر میں اتارا ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اس میں نہ ہمارے لیے کوئی محنت و مشقت ہے اور نہ کوئی تکلیف اور افسردگی۔ یہ امر واضح رہے کہ بہتر سے بہتر عیش بھی حاصل ہو تو آدمی اس کے اندر بھی افسردہ ہو جاتا ہے اگر اس کی خواہش کے مطابق اس میں تجدید و تنوع نہ ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت ایسی بنائی ہے کہ اس میں ایسا بے غل و غش اور متنوع عیش حاصل ہو گا کہ اہل جنت اس کے اندر اکتا ہٹ نہیں محسوس کریں گے۔

وَالَّذِينَ فَسَدُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يَقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ۝ وَهُمْ يَمْشُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا لَعْمَلٍ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ وَآوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرْ ۚ وَجَاءَكُمُ الْإِنشَادُ يُرْقَدُوا ۚ فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ (۲۶-۲۷)

یہ کفار کے انجام کا بیان ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ جہنم میں اتارے گا جہاں ان کا حال یہ ہو گا کہ نہ ان کو موت ہی آئے گی کہ مر کے اس عذاب سے رہائی پائیں، نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہی کی جائے گی کہ ذرا دم لیں۔ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ کے بعد قَسِيْرٌ يُرْقَدُوا یا اس کے ہم سننے کوئی لفظ برائے قریبہ مذکور ہے۔ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ یعنی یہ جو کچھ ہم سارے ہیں، یہ صرف دوسروں ہی کی سرگزشت نہیں ہے بلکہ ہر ناشکرے نابکار کو ہم اسی طرح سزا دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بھی اسی سزا کے مستحق



ٹھہریں گے جہاں ہماری کتاب اور ہمارے رسول کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اس فقرے سے کلام بالکل معلقہ  
مال ہو گیا ہے۔

وَمَنْ يَعْصِرْ يُخَوِّنْهُمَا الْآيَةُ تُوَدُّ اسی جہنم میں پڑے فریاد کریں گے کہ اے رب، ہم کو یہاں سے  
ایک بار رہائی دے کہ ہم دنیا میں جا کر نیک عمل، اس سے بالکل مختلف، کریں جو ہم اب تک کرتے رہے ہیں۔  
اَوْ لَمْ نَعْتَمِدْكَ مَا يَتَذَكَّرْ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرُوْهُ جَاءَ كُفْرًا لِّذِيْكَ يَرِىْ اللّٰهُ تَعَالٰی كِلَیْ طَرَف  
سے ان کو جواب ملے گا کہ کیا تمہیں اتنی مہلت نہیں ملی جس میں ایک یا دو بارنی حاصل کرنے والا یا دو بارنی  
حاصل کر سکے، علاوہ ازیں تمہارے پاس ایک آگاہ کر دینے والا رسول بھی آیا! تو اب کس بات کے لیے  
مہلت مانگتے ہو! اب تمہارا کوئی مددگار نہیں بن سکتا، اب تو جس عذاب کے ابواب تم نے فراہم کیے اس  
کا مزہ چکھو۔

اس آیت سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے عمر بھی کافی دی اور ان پر کسی مندر کے ذریعے سے  
عجبت بھی تمام کر دی گئی ان کے ساتھ تو کسی قسم کی رعایت نہیں ہوگی لیکن جو لوگ سن و سال کی پختگی کو پہنچنے  
سے پہلے ہی مر گئے یا قتل ہو گئے ان کے ساتھ معاملہ نسبتہ ذرا نرم ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ غَیْبٍ اَنْتَوِیْہِ وَالْاَرْضِ لِرَاٰثَہٗ عَلَیْمٌ یَّذٰ اٰیٰتِ الصُّدُوْرِ (۱۳۸)

اس سے دو باتیں واضح فرمائی گئی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے تمام بھیدوں کو جاننے  
والا ہے اس وجہ سے کوئی ان باتوں کو غرض ٹور دانا نہ سمجھے بلکہ یہ حقائق ہیں جو ایک دن سب کے سامنے ظاہر  
ہو کے رہیں گے۔

دوسری یہ کہ جو لوگ یہ فریاد کریں گے کہ اگر ان کو دوبارہ مہلت ملے تو وہ نیکی کریں گے، خدا ان کے  
جھوٹ کو بھی جانتا ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو اگر پھر مہلت دی جائے تو وہ وہی کریں گے جو اب  
تک کرتے رہے ہیں۔

## ۸۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۳۹-۴۵

آگے کی آیات میں مشرکین عرب کو دھکی ہے کہ تم اس ملک میں پہلی قوم نہیں ہو بلکہ پہلی قوموں کے  
جانشین ہو تو ان کے حالات اور انجام سے سبق لو۔ اگر وہ قوت و شوکت میں تم سے بڑھ کر ہوئے کے باوجود  
رسولوں کی تکذیب کے جرم میں تباہ کر دی گئیں تو اسی جرم کا ارتکاب کر کے خدا کے قہر و غضب سے تم کس طرح  
بچ جاؤ گے؟ خدا کا قانون تو ہر قوم کے لیے ایک ہی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھو کہ آسمان  
وزمین تمہارے ان معبودوں کے تھامے نہیں تھے ہوئے ہیں بلکہ خدا ہی کے تھامے تھے ہیں۔ اگر خدا ان کو  
ورہم برہم کر دے تو کوئی دوسرا ان کو نہیں سنبھال سکتا۔ تمہاری سرکشی کے باوجود اگر خدا نے تمہیں ڈھیل دے



رکھی ہے تو اس سے کسی غلط فہمی میں نہ رہو، خدا پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا لیکن جب پکڑتا ہے تو کوئی اس سے بھاگ نہیں سکتا۔

اسی ضمن میں یہ یاد دہانی بھی کی گئی ہے کہ اس سے پہلے قریہ قہیں کھا کھلے یہ وعدے کرتے تھے کہ اگر ان کے اندر کسی رسول کی بعثت ہوئی تو یہ دنیا کی سب سے زیادہ ہدایت یافتہ قوم بنیں گے لیکن جب رسول آیا تو محض لشکار کے سبب سے اس کی مخالفت اور دلت دن اس کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہیں حالانکہ حق کے خلاف جو سازشیں کی جاتی ہیں ان کے پھندوں میں وہی لوگ پھنستے ہیں جو سازشوں کے جال بنتے ہیں۔

غور کیجیے تو اس پر سے ہیں، جس کو خاتمہ سوہ کی حیثیت حاصل ہے، فواصل اپنی توانائی بدل گئے ہیں۔ توانائی کی یہ اچانک تبدیلی تکلم کے لب و لہجہ کی تبدیلی کی دلیل ہوتی ہے اور اس تبدیلی سے مقصود مخاطب کو ایک نئے پہلو سے متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا  
يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا مُقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ  
كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ۝ ٣٩ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءُ كُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ  
مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ  
فِي السَّمَوَاتِ أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَاتٍ مِنْهُ بَلْ إِنَّ  
تَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ۝ ٤٠ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَاهُمَا مِنْ  
أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝ ٤١ وَقَسَمُوا بِاللَّهِ  
جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَكُونُوا هُدًى مِنْ أَهْدَى  
الْأُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَارَدَهُمُ الْانْفُورُ ۝ ٤٢ اسْتَكْبَارًا  
فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ  
إِلَّا السُّنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ

آیات  
۳۹-۴۰



اللّٰهُ تَحْوِيلًا ۝۴۳ اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝۴۴ وَكُلُوْا وَاِحْذُوا اِنَّهٗ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلَى ظُهُرِهِمْ مِنْ ذَّابَّةٍ وَّلٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝۴۵

۱۲

ترجمہ آیات  
۴۵-۴۳

وہی ہے جس نے تم کو زمین میں جانشین بنایا تو جو کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر آئے گا اور کافروں کے لیے ان کا کفر، ان کے رب کے نزدیک، اس کے غضب کی زیادتی ہی کا موجب ہو گا اور کافروں کے لیے ان کا کفر ان کے خاسے ہی میں اضافہ کرے گا۔ ۴۳  
کہو، ذرا تم دیکھو تو اپنے ان شریکوں کو جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو! مجھے دکھاؤ، انھوں نے زمین میں سے کیا پیدا کیا ہے! کیا ان کی آسمانوں میں کوئی حصہ داری ہے؟ آیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے تو وہ اس کی کسی واضح دلیل پر ہیں! بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے محض پُر فریب وعدے کر رہے ہیں۔ ۴۴

اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے بعد کوئی اور ان کو تھامنے والا نہیں بن سکتا۔ بے شک وہ نہایت حلیم و غفور ہے۔ ۴۵

اور انھوں نے اللہ کی پکی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نذیر آیا تو وہ ہر امت سے زیادہ ہدایت اختیار کرنے والے بنیں گے۔ پس جب ان کے پاس ایک نذیر آیا تو



اس چیز نے زمین میں ان کے تکبر کے باعث، ان کی بیزاری اور ان کی بری چالوں ہی میں اضافہ کیا۔ اور بری چال تو اسی کو گھیرتی ہے جو بری چال چلتا ہے۔ پس یہ نہیں انتظام کرے ہی مگر اسی سنت الہی کا جو اگلوں کے باب میں ظاہر ہوئی۔ تو تم سنت الہی میں نہ کوئی تبدیلی پاؤ گے اور نہ تم سنت الہی کو ملتے ہی ہوئے پاؤ گے۔ کیا انھوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ دیکھتے کہ کیا ہو چکا ہے انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں حالانکہ وہ قوت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ اور آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ وہ اللہ کے قابو سے باہر نکل سکے۔ وہ علم والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔ ۴۲-۴۳

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑتا تو زمین کی پشت پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک معین مدت تک مہلت دیتا ہے۔ پس جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھنے والا ہے۔ ۴۵

## ۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ، فَتَنَّا كُفْرًا، وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا مُتَّعًا، وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا (۲۹)

یہ قریش کو تنبیہ ہے کہ اس سرزمین میں آج جو اقتدار تم کو حاصل ہے یہ نہ تمہارا اپنا پیدا کردہ ہے اور نہ تم اس ملک میں پہلی بار برسرِ اقتدار آئے ہو بلکہ تم سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں جن کو خدا نے ان کے کفر و استکبار کے پاداش میں ہلاک کر دیا اور ان کی جگہ تم کو حکم کیا تو اگر وہی روش تم نے اختیار کی تو اسی انجام سے دوچار ہونے کے لیے بھی تیار ہو جو ان کے سامنے آیا۔ خدا نے قوموں کے عزل و نصب کے لیے جو میزانِ عدل قائم کر رکھی ہے اس کا فیصلہ ہر قوم کے لیے بالکل بے لاگ ہے۔ جن قوموں کی مرکزیتیں تم کو سنائی گئی ہیں وہی تاریخ تم بھی دہراؤ گے اگر انہی کے نقش قدم پر چلو گے۔ یہ مضمون انعام آیت ۱۶۵ اور اعراف آیت ۱۰۰ کے تحت بھی تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

خدا کا عدل  
ہر قوم کے لیے  
یکساں ہے



دَحْنٌ كَفَرَ عَلَيْهِ كُفْرُهُ الْآيَةُ یعنی یہ بھی یاد رکھو کہ کسی کے کفر سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ اس کا خمیازہ خود کفر کرنے والے ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ خدا کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ لوگ ہی اس کے محتاج ہیں۔ اگر وہ کفر کریں گے تو اس سے خدا کا کچھ بگاڑنے کے بجائے اس کے غضب میں اضافہ کریں گے اور یہ چیز دنیا اور آخرت میں انہی کی تباہی کا موجب ہوگی۔

قُلْ اَرَاَيْكُمْ شِرْكَاءُكُمْ اَتَدْعُوْنَ اِلَيْهِمْ اَتَدْعُوْنَ اِلٰهًا دُخُوْا مِنْ دُوْرِ اِلٰهِ مَا دُخُوْا مِنْ اَرْضٍ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اَمَّا تَتْلِيْهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنٰتٍ مِّنْهُ ؕ بَلْ اِنَّ يَبْذُلُوْنَ الْغَلٰمُوْنَ لِبَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ اِلَّا غُرُوْرًا (۴۰)

یہ ان کے شرکاؤں کی بے حقیقتی کی طرف توجہ دلائی کہ کیا ان کے بل پر خدا کی پکڑ سے نجات بیٹھے شرکاؤں ہو! ذرا ان کو دیکھو تو بھلا ان کی کیا حقیقت ہے! اَدْعٰیٰہُمْ، اس طرح کے مواقع میں اظہارِ تعجب اور بے حقیقتی تحقیر کے لیے آتا ہے۔ فرمایا کہ اگر زمین میں سے کوئی چیز انھوں نے پیدا کی ہو تو وہ مجھے دکھاؤ۔ یا آسمانوں میں ان کی کوئی حصہ داری ہو تو وہ مجھے بتاؤ۔

اَمَّا تَتْلِيْهُمْ كِتٰبًا الْآيَةُ۔ اس ٹکڑے میں اسلوبِ کلام بدل کر حاضر کے سہارے غائب کا ہو گیا ہے جس سے تعجب اور اظہارِ نیرازی کے مضمون میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ جب آسمانوں اور زمین میں کسی نوعیت سے ان کی کوئی حصہ داری ثابت نہیں تو آخر کس دلیل کی بنا پر ان کو خدا کی خدائی میں انھوں نے شریک بنایا ہے؟ کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس میں ہم نے تسلیم کیا ہو کہ فلاں اور فلاں ہماری خدائی میں شریک ہیں اور انھوں نے اس کی سند پر ان کو ہمارا شریک بنایا ہے؟ بَلْ اِنَّ يَبْذُلُوْنَ الْغَلٰمُوْنَ لِبَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ اِلَّا غُرُوْرًا۔ یعنی ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ نہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے نہ کوئی سند۔ بلکہ یہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے لوگ ہیں یوں ہی بے دلیل و سند ایک دوسرے کو سبزا باغ دکھا رہے ہیں کہ ان کے فلاں بت کے قبضہ میں یہ یہ اختیارات ہیں اور فلاں کی عبادت سے یہ برکات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی یہ ساری باتیں محض فریب ہیں جس میں ان کے لیڈران کو مبتلا کیے ہوئے ہیں۔

لَا تَدْعُوْا اِلٰهًا مِّمَّنْ اَتَتْ اِلٰهَ الْاَدَمِ اَنْ تَرْوُلَا۟ وَ لَیْسَ زَالَتَا۟ اَنْ اَعٰکُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہَا طٰرِئَةً کَانَ حٰلِیْمًا عَقُوْرًا (۴۱)

یعنی اگر یہ اس غلط فہمی میں ہیں کہ جس عذاب سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے اس سے ان کے مزعوم دیوی دیوتا بچائیں گے یا بچائے ہوئے ہیں تو انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ آسمانوں اور زمین کو ان کے موردِ مدار پر خدا ہی ٹکانے ہوئے ہے۔ اگر وہ ذرا ان کی باگ ڈوبیلی چھوڑ دے تو پھر کسی کی طاقت نہیں ہے کہ ان کو تھام سکے۔ پھر چشمِ زدن میں سارا نظامِ دہم برہم ہو جائے گا۔

کفر کا خمیازہ خود کفر کرنے والے ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔

لیڈروں کا فریب عوام کے ساتھ











أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا (۳۴)

مکہ کے  
آثار سے عبرت  
ماصل کرنے  
کہ دعوت  
اللہ کی جہنم پہنچنے والوں کے معاملے میں ظاہر ہوئی اور جس کے آثار خود ملک عرب میں موجود تھے یہ ان کی طرف توجہ دلائی کہ کیا ان لوگوں نے اپنے ملک کی سیاحت کبھی اس مقصد سے نہیں کی کہ اپنی ان پیشرو قوموں کے آثار و نشانات دیکھتے جو قوت و شوکت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں لیکن رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں ان کا انجام نہایت عبرت انگیز ہوا!

”أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا“ کے مضمون سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس کی سیاحت تو انھوں نے بہت کی ہے۔ اپنے تجارتی سفروں میں برابر معذب قوموں کی بستیوں پر سے گزرتے رہے ہیں لیکن کبھی خاص اس مقصد سے انھوں نے ان کے آثار پر نظر نہیں ڈالی کہ وہ اس کیف کردار کو کیوں پہنچیں؟ حالانکہ دیکھتے اور غامد و اٹھانے کی اصل چیز یہی ہے۔ اب بھی موقع باقی ہے کہ اس نگاہ سے ان کے آثار دیکھیں اور ان کے انجام سے سبق حاصل کریں۔ قوت و شوکت میں قریش ان کے پاس گ نہیں ہیں، لیکن خدا نے جب ان کو پکڑا تو وہ اس کی گرفت سے باہر نہ نکل سکے۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو خدا کی گرفت سے باہر نکل سکے۔ خدا کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، کوئی چیز اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ ساتھ ہی وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، کوئی کام اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو اپنے علم اور اپنی قدرت و قوتوں میں کامل ہے کوئی اس سے جھگ کے کہاں جاسکتا ہے؟  
وَلَوْ يَوَيْلَا أَخَذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهِمَا مِنْ ذَاتِيَةٍ وَلَاحِكُنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا (۳۵)

یہ اسی سنت الہی کے ایک دوسرے پہلو کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ان لوگوں کی پکڑ تو لازماً ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ مجرمین کو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً نہیں پکڑا کرتا۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ تو نہیں پکڑ سکتا، وہ چشم زدن میں روئے زمین سے ہر زندہ کو ختم کر دے، لیکن وہ عظیم و غفور ہے اس وجہ سے ایک معین مدت تک لوگوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ جس کو توفیق ہو وہ توبہ اور اصلاح کرے اور چو اپنی ضد ہی پر مرنا چاہے اس پر اللہ کی محبت پوری ہو جائے۔ جب ان کی معین مدت مہلت پوری ہو جائے گی تو پھر اللہ ان کو دیکھے گا کہ وہ کس پاداش کے مستحق ہیں۔

”بِمَا كَسَبُوا“ کے بعد ”عَلَى عَجَلٍ“ یا اس کے ہم معنی الفاظ محذوف ہیں۔ ”وَلَوْ يَوَيْلَا“ کے الفاظ سے اس کی وضاحت ہو گئی ہے۔

توفیق ایزدی ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ خَالِحًا لِلَّهِ عَلَى ذَلِكِ۔

رحمان آباد

۴ فروری ۱۹۷۵ء